

پہلی آیت

يَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَرَافِعُكَ إِلَىٰ وَمُطَهَّرُكَ مِنَ الذِّينِ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الذِّينِ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الذِّينِ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ.

(آل عمران: 5)

”اے عیسیٰ علیہ السلام میں لے لوں گا تجھ کو اور اٹھالوں گا اپنی طرف اور پاک کردوں گا تجھ کو کافروں سے اور رکھوں گا ان کو جو تیرے تابع ہیں۔ غالب ان لوگوں سے جو انکار کرتے ہیں قیامت کے دن تک“

قادیانی استدلال

”یعنی اے عیسیٰ علیہ السلام میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور پھر عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کافروں کی تہمتوں سے (تجھے) پاک کرنے والا ہوں اور تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر قیامت تک غلبہ دینے والا ہوں۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 598 خزائن ج 3 صفحہ 423)

جواب..... 1

(ازالہ صفحہ 394 خزائن جلد 3 صفحہ 303)

اس آیت میں مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ کی نسبت مرزا صاحب نے

پر یہ اقرار کر لیا ہے کہ یہ آیت وعدہ وفات ہے (یعنی دلیل و خبر وفات نہیں) حیرانگی ہے کہ وعدہ وفات دینے میں کیا مصلحت الہی ہو سکتی ہے؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کبھی یہ خیال کر بیٹھے تھے کہ ان پر موت وارد نہ ہوگی؟ حالانکہ ہر شخص خواہ مومن ہو خواہ کافر کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کو مانتا ہے۔ مرزا صاحب کا بیان ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے حضرت مسیح کو پکڑ کر صلیب پر کھینچنا چاہا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جو صلیب پر لٹکا یا گیا وہ لعنتی ہے۔ رب کریم نے یہود کے اس ارادہ فاسد کے مقابلہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا اطمینان فرمایا کہ تم صلیب پر نہیں مرو گے بلکہ اپنی موت سے، مرزا صاحب کی اس وجہ اور سبب وعدہ وفات کے غلط ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ تو اپنی پیدائش کے دن ہی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ نہ قتل کیے جائیں گے اور نہ صلیب پر لٹکائے جائیں گے بلکہ سلامتی کی موت کے ساتھ اپنی انفاس حیات پوری کریں گے پڑھو یہ آیت وَسَلَامٌ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا (مریم 23) پس یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ اِنْسِي مُتَوَفِّيكَ کے معنی موت دوں گا ہرگز صحیح نہیں۔ مرو گے۔ عزت پاؤ گے ان کافروں کے ارادہ فاسد سے پاک صاف رہو گے۔ مرزا صاحب کی یہ خود تراشیدہ وجہ بھی وعدہ وفات کی مصلحت کو ظاہر کرنے میں بودی اور کمزور ہے۔ مرزا صاحب مانتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر لٹکائے گئے۔ صلیب کی تختیوں سے ایسے قریب بہ مرگ ہو گئے کہ یہود نے مرجانے کا خیال کر لیا۔ سبب بھی قریب تھا۔ جلدی سے اُتار کر دفن کر گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے یار و احباب نے آ کر ان کو نکال لیا۔ پھر وہ خفیہ زندہ رہے اور اپنی موت سے مر گئے۔“



اہم استنباط

یہ وجہ اس لیے کمزور اور بودی ہے کہ مرزا صاحب مانتے ہیں کہ صلیب پر لٹکائے جانے کے بعد پھر زندہ رہے اور مدتوں جئے۔ تو اندریں صورت اقتضائے مقام یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو وعدہ نجات دیتا کہ یہود تو تجھے صلیب پر لٹکانا چاہتے اور بے عزتی کے ساتھ ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ مگر میں تجھے ان کے ہاتھوں سے نجات دوں گا اور تو اپنی زندگی اور عمر کا بقیہ حصہ خاموشی اور امن کے ساتھ پورا کرے گا نہ کہ برخلاف اس کے کہ ایک شخص جو موت کے سامان اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہے اور اپنے مرنے کا یقین کر رہا ہے اس کی تسلی اور تشفی ان الفاظ میں کی جائے کہ میں تجھے ماروں گا اور وفات دوں گا۔ درآئیکہ مارنے اور وفات دینے میں ہنوز عرصہ دراز باقی ہے۔ ایسے موقعہ دل دہی اور اطمینان پر ایسے الفاظ کا استعمال دنیا کی کسی زبان میں بھی نہ ہوتا ہوگا۔ چہ جائیکہ رب کریم کے کلام میں ہو۔ جس کی بلاغت بدرجہ غایت پہنچی ہوئی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے اس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے۔ وہی اپنی غلطی پر اندرونی شہادت رکھتا ہے اور بآواز بلند پکار رہا ہے کہ الفاظ ربانی کے ایسے معانی کرنا جس کے ایک پہلو سے اللہ تعالیٰ پر فعل عبث اور کلام بے محل کا الزام آتا ہو اور دوسرے پہلو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر غلط فہمی کا اعتراض قائم ہوتا ہو بالکل بے بصیرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کو اس کے درجہ اعلیٰ سے مستزل کر دینا ہے اور مُتَوَفِّيكَ کا ترجمہ تجھے ماروں گا کرنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ترجمہ ”وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهَّرُكَ مِنَ الذِّينِ كَفَرُوا“ پہلے الفاظ سے کچھ مناسبت نہیں رکھتا۔ یعنی عدم مطابقت کلام الہی ہے اور وہ محال ہے کیونکہ جس عزت کی موت کا

وعدہ تھا یا تو وہ عزت جسمانی ہو سکتی ہے۔ جو بقول آپ کے حضرت مسیح علیہ السلام کو نصیب نہیں ہوئی کیونکہ وہ تادم زیست یہودیوں کے خوف سے چھپے ہی رہے۔ گمنامی کے ساتھ زندگی بسر کرنا اور معمولی طور پر مرجانا جسمانی لحاظ سے باعزت موت نہیں ہو سکتی۔ جبکہ اس کا وعدہ بھی منجانب اللہ دیا گیا ہوا اور یا وہ عزت روحانی ہو سکتی ہے یعنی اعلیٰ علیین میں روح کا جاگزین ہونا وغیرہ وغیرہ تو یہ سب امور تو انبیاء علیہم السلام کو یقیناً حاصل ہوتے ہیں اور کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا۔ جس کو سوء خاتمہ کا خوف ہو۔ یا سلب ایمان کا ڈر۔ پس اس اعتبار سے بھی یہ وعدہ ایک فعل لایعنی ہوا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ یہودی مخالفت دیکھ کر خود حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی اپنی صداقت اور نبوت میں شک ہو گیا تھا۔ (معاذ اللہ) جس کا دفعیہ خدا تعالیٰ کو کرنا پڑا کہ نہیں تو شک نہ کر۔ تو سچا ہے اور اس لیے تو عزت کے ساتھ ہمارے پاس آئے گا مُتَوَفِّیکَ کے ترجمہ ماروں گا کی غلطی تو لفظ مُطَهَّرُکَ مِنَ الذِّنِّ کَفَرُوا کہ نہیں ظاہر کرتا ہے۔ جب مرزا صاحب کا اقرار ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام یہود کے ہاتھوں صلیب پر لٹکائے گئے (گو ان کو صلیب پر وفات پانے کا انکار ہے) اور تو ریت کے خاص الفاظ یہی ہیں کہ جو صلیب پر لٹکایا گیا (دیکھو صلیب پر لٹک کر مر گیا تو ریت بھی نہیں کہتی) وہ لعنتی ہے، تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو یہودی آنکھوں میں تطہیر حاصل نہیں ہوئی۔ حالانکہ وعدہ تطہیر کا تھا۔

اب ناظرین یہ بھی خیال فرمائیں کہ مرزا صاحب نے ان ہر چہاں فعلوں میں ترتیب طبعی کو تسلیم کر لیا ہے حالانکہ ان کی بتلائی ہوئی وجہ سے جس کا ذکر اوپر ہوا۔ مُطَهَّرُکَ مِنَ الذِّنِّ کَفَرُوا کو مُتَوَفِّیکَ وَ رَافِعُکَ پر تقدم زمانی حاصل ہے کیونکہ تطہیر کے معنی ان کے نزدیک صلیب پر لٹکے ہوئے وفات نہ پانا ہے۔ جو واقعہ تقصیب سے اگلے روز ہی ان کو حاصل ہو گئی تھی اور جب یہ تقدم زمانی ثابت ہوئی تو پھر ان کا یہ مذہب کہ تقدیم و تاخیر الفاظ قرآنی صریح الحاد ہے۔ انہی پر لوٹ پڑے گا۔ غرض یہ ترجمہ ہی اپنی بطلان پر خود شاہد ہے۔

اس جگہ تقدیم و تاخیر الفاظ کی نسبت بھی کچھ گزارش کرنا ضروری ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ مُتَوَفِّیکَ کے معنی مُمِيتُکَ ہیں۔ اس پر وہی اعتراضات وارد ہوتے۔ جو مرزا صاحب کے ترجمہ پر ہوئے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ان کا یہ مذہب بھی ہے کہ الفاظ مُتَوَفِّیکَ وَ رَافِعُکَ اِلٰی میں تقدیم و تاخیر ہے۔ مرزا صاحب اس مقام پر آ کر ایسے غضب میں بھر جاتے ہیں کہ تقدیم و تاخیر الفاظ کا نام الحاد قرار دیتے ہیں اور ان کے خوش فہم مرید بھی حق صحابی رسول۔ مفسر قرآن فقیہ فی الدین۔ برادر عمز ادنیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس فتوے الحاد پر بڑے نازاں ہو رہے ہیں۔ اگر ان کو نظم قرآنی پر ذرا غور کا موقع بھی ملا ہوتا تو یہ حرف کبھی زبان پر نہ لاتے۔

نوٹ:

آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیکَ اِلٰی کے جو معنی مرزا صاحب نے کیے ہیں اور اس معنی پر جو اعتراض ہم نے کیا ہے کہ آپ اس آیت کو حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے اطمینان دہ اور تسلی بخش مانتے ہیں۔ مگر آپ کا ترجمہ اس آیت کو ان کے حق میں ایک بد وحشت خبر اور پیام مرگ بتا رہا ہے اور ایک مقید و اسیر کو جو اپنی آنکھوں سے صلیب کو اپنے لیے تیار اور قوم کو اپنے قتل پر آمادہ دیکھے۔ موت فوری اور قتل ذلت کا یقین دلارہا ہے۔ ہمارے اس اعتراض کا صحیح ہونا مرزا صاحب نے خود تسلیم کر لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ”واضح ہو کہ مسیح کو بہشت میں داخل ہونے اور خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے جانے کا وعدہ دیا گیا تھا۔ مگر وہ کسی اور وقت پر موقوف تھا جو مسیح پر ظاہر نہیں کیا گیا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں اِنِّیْ مُتَوَفِّیکَ وَ رَافِعُکَ اِلٰی وارد ہے۔ سو اس سخت گھبراہٹ کے وقت میں مسیح نے خیال کیا کہ شاید آج ہی وہ وعدہ پورا ہوگا چونکہ مسیح ایک انسان تھا اور اس نے دیکھا کہ تمام سامان میرے مرنے کے موجود ہو گئے ہیں۔ لہذا اس لیے برعایت اسباب گمان کیا کہ شاید آج میں مر جاؤں گا۔“

(ازالہ صفحہ 394 خزائن جلد 3 صفحہ 303)

مرزا صاحب ”مسیح ایک انسان تھا“ کہہ کر اپنے معنی کا نقص چھپانا چاہتے ہیں۔ مگر مسیح علیہ السلام ایک رسول تھا جس کے پاس یہود کے ہاتھوں سے نجات پا جانے کا وعدہ حتیٰ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آچکا تھا۔ اس لیے لازمہ نبوت تھا کہ وہ ان کمزور بیچ کار بندوں کے اسباب کو بیت العکبوت سے زیادہ کمزور خیال کرتا اور ذرا گھبراہٹ اس کے لاحق حال نہ ہوتی۔ بیشک ہم یقین رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے استقلال و استقامت و صبر میں کبھی لغزش ظاہر نہیں ہوئی۔ یہود اور سلطنت کے مخالفوں کے سامنے ان کا بھروسہ خدائے کریم پر تھا اور اس نے اس کو بچا بھی لیا حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے استقامت احوال پر یہ جو اعتراض ہوتا ہے۔ وہ بھی مرزا صاحب کے ترجمہ کی خرابی کا موجب ہے ورنہ نبی کی شان اس سے اعلیٰ و برتر ہے۔

جواب..... 2

ناظرین مرزا صاحب کے الفاظ ترجمہ پر مکرر غور فرمائیں کہ اگر ان کے ترجمہ کے موافق مُتَوَفِّیکَ سے وفات جسمی اور رفع سے عروج روحی مراد لی جائے تو لامحالہ عبارت میں یہ تقدیر مانتی پڑے گی۔ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْ جَسَدُکَ وَ رَافِعُکَ روحک۔ حالانکہ معنی بنانے کے لیے قرآن شریف کی عبارت میں الفاظ کی تقدیر مرزا

صاحب کے مذہب میں الحاد اور کفر ہے۔

خیال کرنا چاہیے کہ اس جگہ چار فعل ہیں اور ان چاروں فعلوں کا فاعل باری تعالیٰ ہے اور ان چاروں فعلوں میں مخاطب یا عیسیٰ ہیں۔ جن پر ان افعال کا اثر مترتب ہوتا ہے۔ اب یہ طے کر لینا چاہیے کہ لفظ عیسیٰ جو اسم ہے۔ یہ مسیٰ کے صرف جسم یا صرف روح پر دلالت کرتا ہے۔ یا جسم و روح دونوں پر۔ مرزا صاحب کا مذہب بہت ہی عجیب ہے۔ وہ اِنْسِی مُتَوَفِّیکَ میں ک کا مرجع یا عیسیٰ سے صرف جسم مراد لیتے ہیں کیونکہ توفیٰ کے معنی وہ روح کو قبض کر کے جسم کو بریکار چھوڑ دینا بتلاتے ہیں اور رَافِعُکَ اِلَیّی میں ک کا مرجع یا عیسیٰ سے صرف روح عیسیٰ لیتے ہیں۔ اور مُطَهِّرُکَ اور اَتَّبِعُکَ میں یا عیسیٰ کا مرجع جسم و روح دونوں کو اور اس طرح پر وہ آیت کا ترجمہ کر سکنے کے قابل ہوتے ہیں جو سراسر نظم قرآنی کے خلاف اور شانِ کلام ربانی سے بعید ہے۔

جواب.....3

ناظرین یہ بھی یاد رکھیں کہ براہین احمدیہ میں جس کو خدا کے حکم والہام سے مرزا صاحب نے لکھا اور جس کو کشف میں حضرت سیدہ فاطمہ زہرا نے مرزا صاحب کو یہ کہہ کر دیا کہ یہ تفسیر علی مرتضیٰ ہے۔ مرزا صاحب نے آیت یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیکَ کا اپنے اوپر الہام ہونا لکھا ہے اور پھر اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ ”اے عیسیٰ میں تجھے پوری نعمت دوں گا۔“ حوالہ ظاہر ہے کہ اگر متوفیک کے معنی حقیقی تجھے ماروں گا ہوتے تو الہامی کتاب اور کشفی تفسیر میں یہ ترجمہ اس کا نہ کیا جاتا۔ مرزا صاحب اس وقت بھی کچھ جاہل نہ تھے۔ جو توفیٰ کے معنی نہ جانتے ہوں۔ پس اگر یہ ترجمہ ان کے لیے جائز اور صحیح ترجمہ تھا تو حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے کیوں یہ ترجمہ صحیح نہیں؟ اگر مرزا صاحب فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کے الہام میں تو اس وقت بھی متوفیک کے معنی ماروں گا۔ مراد تھی۔ مگر ترجمہ کرنے میں غلطی ہوئی تو خیر یہ بھی سہی مگر ظاہر ہے کہ براہین میں اس الہام کو چھپے ہوئے یعنی مرزا صاحب کو خبر وفات منجانب باری تعالیٰ ملتے ہی مرزا کو پندرہ سال کا عرصہ ہو چکا اور مرزا صاحب کو فوری موت نہیں آئی تو اس سے واضح ہوا کہ جس طرح مرزا صاحب کے لیے بعد از خبر وفات پندرہ سال کا عرصہ اوپر گزر جانا جائز ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے صدیوں کا عرصہ گزر جانا بھی جائز ہے اور اس صورت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ماننا پڑے گا۔

جواب.....4

اِنْسِی مُتَوَفِّیکَ پر تدبر فرمائیے۔ تَوَفَّی کے معنی قبض تام ہیں اور چونکہ یہ قبض تام عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے۔ جس کے مفہوم میں روح اور جسم دونوں شامل تھے۔ لہذا توفیٰ بحمدہ العصری ثابت ہوا۔ رَافِعُکَ اِلَیّی پر نظر کیجئے۔ دفع کے معنی بلند کرنا ہیں جس کی ضد وضع ہے جو نیچے رکھ دینے کے معنی میں آتا ہے۔ پس قبض تام کے بعد رفع۔ رفع جسمی ہی ہے۔

چیلنج لفظ عیسیٰ کے مفہوم اور توفیٰ کے معنی نے حضرت مسیح علیہ السلام کا بحمدہ العصری قبض کیا جانا اور لفظ رَفَعَ کے معنی نے اسی جسم کے ساتھ آسمان پر جانا ثابت کر دیا۔ واللہ الحمد۔ یہ وہ معنی ہیں۔ جن میں نہ لغت سے عدول ہوا۔ نہ عرف سے، نہ کہیں مرادی معنی لیے گئے۔ نہ مجازی ڈھکوسلا لگایا گیا۔ مرزا صاحب جو اس آیت کے معنی کرتے ہیں۔ وہ یَا عِیْسٰی کے لفظ پر تو کچھ غور کرنا ہی نہیں چاہتے۔ اِنْسِی مُتَوَفِّیکَ میں توفیٰ کے معنی صرف قبض روح کرتے ہیں۔ مگر ہم حیران ہیں کہ توفیٰ کے معنی صرف قبض روح کس لغت میں ہیں؟ اگر براہِ عنایت مرزا صاحب کسی مستند کتاب لغت میں یہ الفاظ لکھے دکھائیں

”کہ توفیٰ کے معنی یہ ہیں کہ روح کو قبض کرنا اور جسم کو بریکار چھوڑ دینا“ (ازالہ اوہام صفحہ 600 خزائن جلد 3 صفحہ 424)

تو وہ ایک ہزار روپیہ کا انعام پانے کے مستحق ہوں گے۔

وَرَافِعُکَ اِلَیّی کے معنی وہ لغوی نہیں لیتے بلکہ مرادی معنی لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رَافِعُکَ اِلَیّی سے قرب الہی مراد ہے۔ مسلمانوں کا اعتقاد ہے اور لغت ان کا شاہد ہے کہ رفع کسی جسم کے بلند کرنے، نیچے سے اٹھا کر اوپر لے جانے کو کہتے ہیں۔ وہ جسم خواہ محسوس ہو یا غیر محسوس۔ واضح ہو کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے محسوس جسم کے اٹھا لینے پر رب کریم نے اس لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔ اسی طرح رسول خدا نے بھی ایک محسوس جسم کے زمین سے اوپر اٹھائے جانے پر اسی لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔

وقریش تسألننی عن مسری فسالتنی عن اشیاء من بیت المقدس لم اثبتها فکربت کربا ما کربت مثله. فرفعه الله اِلَیّی انظر الیه.

(مسلم جلد 1 صفحہ 94 باب الاسراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی السموات عن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں شب معراج کے بعد (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے اپنا بیت المقدس تشریف لے جانا اور وہاں سے افلاک پر جانا بیان فرمایا) قریش میرے اس سفر کے متعلق سوال کرنے لگے۔ انھوں نے بیت المقدس کے متعلق چند ایسی چیزیں دریافت کیں۔ جن کا میں نے دھیان نہ رکھا تھا مجھے اس وقت نہایت ہی شاق گزرا (کیونکہ جواب نہ دینے سے کفار کو احتمال کذب کا یا راتھا) رب کریم نے میرے لیے بیت المقدس کو اٹھا کر بلند کر دیا کہ میں اسے بخوبی دیکھتا تھا۔ پھر قریش نے جو کچھ مجھ سے پوچھا۔ میں نے جواب دے دیا۔“



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جسمی

مسرای کا لفظ غور طلب ہے کہ اس سے معراج جسمانی ثابت ہوتا ہے (جو جمہور اہل السنۃ والجماعت کا مذہب ہے) یا کشفی و منامی ہے؟ جو مرزا صاحب کا مذہب ہے۔ پھر دیکھنا چاہیے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خواب یا کشف بیان کیا ہوتا تو کفار کو اس سے سخت انکار کرنے اور امتحان کی غرض سے مختلف سوالات پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ سب جانتے ہیں کہ خواب میں کسی دور دراز مکان کا دیکھ لینا کچھ بھی مستبعد نہیں۔ علیٰ ہذا خواب میں مرئیات کو واقع کے مطابق دیکھنا بھی ضروری نہیں۔ کفار کے سوال اور ان کے اعتراض سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھبراہٹ اور اللہ تعالیٰ کا اس گھبراہٹ کو دور فرمانا تو تب ہی ٹھیک ہوتا ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معراج کو جسمانی بتلایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے صحابہ اور مشرکین نے یہی سمجھا تھا۔ جناب مرزا صاحب رَفَعَهُ اللّٰهُ لَیْ پر کم سے کم تین بار غور فرمائیں۔

رَفَعَ کے جو معنی وَرَافِعُكَ اِلَیَّ میں ہم نے کیے ہیں۔ بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْہِ کا منطوق ہے کیونکہ مرزا صاحب نے جب مُتَوَفِّیْکَ میں صرف قبض روح کے معنی لیے تو وَرَافِعُكَ میں معزز موت مراد لی۔ ان دونوں فعلوں کا مرجع بہر حال عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ مگر جب وہ بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْہِ کے معنی کرتے ہیں تو ان کے بیان میں لغزش آ جاتی ہے کیونکہ مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَّوْهُ کی ضمیر کا مرجع جسم اور روح دونوں ہیں۔ جس کو مرزا صاحب بھی مانتے ہیں لیکن بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْہِ میں آ کر وہ ضمیر کا مرجع صرف روح کو قرار دے بیٹھے ہیں۔ جس کے واسطے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ تو کلام میں نہایت بھونڈی اور بدنما تعقید ہے۔ جس کا وجود کسی فصیح انسان کے کلام میں بھی نہیں ملتا۔ چہ جائیکہ ایسے معجز کلام الہی میں ہو۔ اس وقت مرزا صاحب کو اپنے وہ الفاظ جو توضیح میں لکھے ہیں۔ یاد کرنے چاہئیں۔

”خوبصورت اور دلچسپ طریقے تفسیر کے وہ ہوتے ہیں۔ جن میں متکلم کی اعلیٰ شان بلاغت اور اس کے روحانی ارادوں کا خیال بھی رہے۔ نہ یہ کہ غایت درجہ کے سفلے اور بدنما اور بے طرح موٹے معنی جو بھولچ کے حکم میں ہوں۔ اپنی طرف سے گھڑے جائیں اور خدا تعالیٰ کی پاک کلام کو جو پاک اور نازک دقائق پر مشتمل ہے۔ صرف دہقانی لفظوں تک محدود خیال کیا جائے۔“ (توضیح مرام صفحہ 14-15 خزائن جلد 3 صفحہ 58)

اب مرزا صاحب کو دیکھنا چاہیے کہ متکلم کی اعلیٰ شان بلاغت کا خیال نہ کر کے غایت درجہ کے سفلے بدنما اور بے طرح موٹے معنی آپ کرتے ہیں۔ یا ہم؟ ایسے معنی کہ اس میں ضمائر بھی ٹھیک نہیں بیٹھتی ہیں۔

مرزا صاحب نے ازالہ کے خاتمہ پر پھر آیت یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُكَ اِلَیْ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الذِّیْنِ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الذِّیْنِ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الذِّیْنِ کَفَرُوْا اِلَیْ یَوْمِ الْقِیَامَةِ کو لکھا ہے (ازالہ صفحہ 922 خزائن جلد 3 صفحہ 606)

اور بیان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ترتیب وار چار فعل بیان کر کے اپنے تئیں ان کا فاعل بیان کیا ہے میں کہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بھی یہی ہے اور آیت کے جو معنی ہم نے لکھے ہیں۔ اس میں بھی ترتیب ان فعلوں کی اسی طرح قائم رہتی ہے۔ البتہ ترتیب توڑنے کا جو الزام بڑے زور و شور سے مرزا نے قائم کیا ہے اور ترتیب توڑنے والوں کو پیٹ بھر گالیاں دی ہیں۔ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ وہی ابن عباس رضی اللہ عنہ جن کا مذہب امام بخاری نے مُتَوَفِّیْکَ بمعنی مُمِیْتُکَ بیان کیا ہے اور وہی ابن عباس رضی اللہ عنہ جن کا مذہب (ازالہ صفحہ 892 خزائن جلد 3 صفحہ 587) پر آپ نے اپنے لیے سند سمجھا ہے۔

بڑی حیف کی بات ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مقولہ کا آدھا حصہ تو آپ قبول کرتے ہیں اور آدھا قبول نہیں کرتے۔ ایمان بعض اور کفر بعض کی۔ اگر کوئی اور مثال ہے تو فرمائیں؟

دوسری آیت

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْط وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍ مِّنْهُم مَّا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۚ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَهِهٖط وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝ (سورة النساء آیت 951، 851)

”اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا اور انھوں نے نہ اس کو مارا نہ سولی پر چڑھایا لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ نہیں ان کو اس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور اس کو قتل نہیں کیا بے شک بلکہ اس کو اٹھایا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست حکمت والا اور جتنے فرقے ہیں اہل کتاب کے عیسائی علیہ السلام پر یقین لائیں گے اس کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن ہوگا ان پر گواہ۔

مرزائی استدلال

”دوسری آیت جو مسیح ابن مریم کی موت پر دلالت کرتی ہے یہ ہے یعنی مسیح ابن مریم مقتول اور مصلوب ہو کر مردود اور ملعون لوگوں کی موت نہیں مرا، جیسا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا خیال ہے بلکہ خدا تعالیٰ نے عزت کے ساتھ اس کو اپنی طرف اٹھالیا۔ جاننا چاہیے کہ اس جگہ رفع سے مراد وہ موت ہے جو عزت کے ساتھ ہو جیسا کہ دوسری آیت اس پر دلالت کرتی ہے وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا“ (ازالہ اوہام ص 599 خزائن ج 3 ص 324)

جواب..... 1

اس دوسری آیت مرزا صاحب نے وفات عیسیٰ علیہ السلام پر بَلِّ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَهِهٖط کی ہے۔ انھوں نے اس کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ ”بلکہ خدا تعالیٰ نے عزت کے ساتھ اس کو اپنی طرف اٹھالیا۔“ ترجمہ کے بعد پھر لکھا ہے۔ ”اس جگہ رفع سے مراد موت ہے جو عزت کے ساتھ ہو جیسا کہ دوسری آیت اس پر دلالت کرتی ہے وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ مرزا صاحب نے مراد کا لفظ لکھ کر ثابت کر دیا کہ وہ اس جگہ مرادی ترجمہ کرتے ہیں اور ترجمہ آیت میں حسب مراد خود جو چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں۔ نیز ثابت کر دیا کہ اس جگہ رفع کے لغوی معنی مرزا صاحب کے مذہب کو دفع کر رہے ہیں۔ آیت وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ط جو حضرت ادریس علیہ السلام کی شان میں ہے۔ وہ نہ ان مرادی معنی پر دلالت کرتی ہے اور نہ مرزا صاحب کے کچھ مفید ہی ہے کیونکہ یہاں رفع کا لفظ مَكَانًا عَلِيًّا سے مضاف ہے اور جس کے یہ معنی ہیں کہ رب کریم نے حضرت ادریس علیہ السلام کو رتبہ عَلِيًّا پر فائز کیا اور منصب برتر پر ممتاز فرمایا۔ ایسا ہی دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ (البقرة 352) یہ رسول ہیں۔ جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے اور بعض کے درجے ہم نے بلند کیے ہیں۔ اس میں رفع کو درجات کی طرف مضاف کیا ہے۔ پس واضح ہوا کہ مرزا صاحب نے یہ مرادی معنی تو اللہ تعالیٰ کے مقصود و مطلوب کلام کے خلاف کیے ہیں۔ لہذا روشن ہوا کہ رفع کے معنی یہاں بھی وہی ہیں۔ جو لغت میں ہیں اور جو ہر جگہ لیے اور سمجھے سمجھائے بولے جاتے ہیں یعنی بلند کرنا اب چونکہ یہاں رفع کا لفظ ہے اور وہ اَلْسَى کی طرف مضاف ہے تو صاف اور سیدھے معنی جن کو لغت کی امان حاصل ہے یہ ہیں کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اوپر اٹھالیا۔“ اَلْسَى کے معنی میں فوق، جہت، علو کی بحث (جو مسئلہ صفات کا حصہ ہے) شامل کی جاسکتی ہے مگر میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان صفات الہی سے منکر نہ ہوں گے اور مسئلہ صفات میں اہل السنۃ والجماعت کا مذہب چھوڑ نہ بیٹھے ہوں گے۔ ناظرین بجائے اس کے کہ مرزا صاحب اس آیت سے وفات عیسیٰ علیہ السلام ثابت کر سکتے۔ ان کو شروع تقریر میں ہی اپنے ضعف استدلال کا خود اقرار کرنا پڑا اور یہ ماننا لازمی ہوا کہ جو معنی ہم نے کیے ہیں وہ مرادی معنی ہیں۔ مجھے نہایت تعجب آتا ہے کہ توفی کے لفظ پر تو مرزا صاحب نے اتنا زور دیا ہے کہ گویا تمام بحث کا لب لباب اور کل دلائل کا عطر مجموعہ یہی لفظ ہے اور وہ سارا زور صرف اس بات پر ہے کہ توفی کے لغوی اور اصلی معنی وفات کے ہیں مگر رفع میں آکر اس تمام جوش و خروش کو سینہ میں دبا کر چاہتے ہیں کہ اس کے لغوی اور اصلی معنی کو چھوڑ کر مرادی معنی لے لیے۔“

جواب..... 2

مرزا صاحب کے نزدیک رفع کا اٹھانا اور الیہ کا معنی آسمان کی طرف مسلم ہیں کیونکہ جب وہ ارواح کے اٹھائے جانے کے قائل ہیں تو اس صورت میں رفع کے حقیقی معنی اٹھانا ثابت ہیں اور چونکہ ارواح کا اٹھایا جانا آسمان کی طرف ہوتا ہے جو قرآنی آیت فسی مقعد صدق عند ملک مقتدر سے ثابت ہے۔ اس لیے آیت بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ میں آسمان کی طرف حقیقی طور پر اٹھایا جانا مرزا صاحب کے نزدیک مسلم ٹھہرا اب سوال یہ ہے کہ کیا ٹھانی گئی؟ اس کا جواب خود قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جس کو قتل نہیں کر سکے وہی اٹھایا گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ جسم ہی تھا۔

تیسری آیت

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ. (مائدہ 117) ”پھر جب تو نے مجھ کو اٹھالیا تو تو ہی تھا خبر رکھنے والا ان کی۔“

قادیانی استدلال

”یعنی جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگہبان تھا..... تمام قرآن شریف میں تَوَفَّي کے معنی یہ ہیں کہ روح کو قبض کرنا اور جسم کو بیکار چھوڑ دینا۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 600 خزائن جلد 3 صفحہ 424)

تیسری آیت وفات عیسیٰ علیہ السلام پر مرزا صاحب نے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي پیش کی۔ اس آیت کے ضمن میں لفظ توفی پر نہایت پرجوش اور زوردار لفظوں میں بحث کی ہے۔ لکھا ہے۔ ”توفی کے معنی امات اور قبض روح ہیں۔ بعض علماء نے الحاد اور تحریف سے اس جگہ تَوَفَّيْتَنِي سے دَفَعْتَنِي مراد لیا ہے اور اس طرف ذرا خیال نہیں کیا کہ یہ معنی نہ صرف لغت کے مخالف بلکہ سارے قرآن کے مخالف ہیں پس یہی تو الحاد ہے۔ قرآن شریف میں اوّل سے آخر تک بلکہ صحاح ستہ میں بھی انہی معنی کا التزام کیا گیا ہے۔“

(ازالہ صفحہ 601 خزائن جلد 3 صفحہ 424)

مرزا صاحب دیکھیں کہ جب آپ نے محض ایک لفظ توفیتنی کے دفععتنی لینے سے سینکڑوں سال کے مرے ہوئے ہزاروں علماء پر فتویٰ الحاد جاری کر دیا اور ملحد کہنے میں ان کے ایمان و اسلام، اقرار شہادتیں وغیرہ کا کچھ خیال نہ کیا۔ کیا آپ کو حال کے علماء سے اپنے فتویٰ تکفیر کے بارہ میں کیا شکایت ہو سکتی ہے۔

جواب..... 1

اب مجھے لازم ہے کہ توفی کے لفظ پر بحث کروں اور لغت نیز قرآن مجید سے اس کے معنی امات اور قبض روح کے سوا اور بھی ثابت کر دوں۔ پہلے لغت کی کتابوں کو لیجئے۔

1..... صحاح میں ہے اوفاه حقہ (باب افعال سے) اور وفاه حقہ (باب تفعیل سے) اور استوفاء حقہ (باب استفعال سے) اور توفاه (باب تفعّل سے جو زیر بحث ہے) سب ایک ہی معنی رکھتے ہیں کہ اس کا حق پورا دے دیا۔ توفاه اللہ کے معنی قبض روح ہیں اور توفی کے معنی نیند بھی ہیں۔

2..... ایفاء گزاردن حق کے بہ تمام۔ و یقال منه و اوفاه حقہ۔ و وفاه و استوفاه توفی تمام گرفتن حق توفاه اللہ ای قبض روح و فاة مردن۔ موافاة رسیدن و آمدن۔ و توافی القوم ہی تناموا۔

3..... قاموس میں ہے اوفی فلانا حقہ کے یہ معنی ہیں۔ کہ اس کو پورا حق دے دیا۔ جیسے وفاه اور اوفاه، استوفاه اور توفاه کے یہی معنی ہیں۔ وفات بمعنی موت بھی ہے۔ توفاه اللہ کے معنی قبض روح ہیں۔ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ کتب مذکورہ بالا سے ان کو کوئی ایسی مثال یا محاورہ دکھلا دیا جائے۔ جس میں لفظ توفی بمعنی قبض جسم بولا گیا ہو۔ اب وہ توفاه حقہ کے محاورہ پر غور کریں۔ جس سے درہم و دینار وغیرہ اجسام کا قبض کرنا ثابت ہے۔

اب تفاسیر کی طرف آئیے۔ تفسیر بیضاوی میں ہے۔ توفی کسی چیز کے پورا لینے کو کہتے ہیں بیضاوی جیسے تبحر و ماہر نے لکھا ہے التوفی اخذاً و ایفاً مارنا اس کی ایک قسم ہے (اور نیند کی دوسری قسم) ان دونوں قسموں کا اس قول ربانی میں ذکر ہے۔ خدائے تعالیٰ جانوں کو موت کے وقت پورا لیتا ہے۔ (یعنی مارتا ہے) اور جو نہیں مرتے ان کو نیند نہیں پورا لیتا ہے (یعنی معلوسلا دیتا ہے)

تفسیر کبیر میں ہے توفی کے معنی قبض کرنا ہے۔ اس لفظ سے عرب کے محاورات یہ ہیں وفانی فلان درہمی۔ و اوفانی و توفیتھا منہ یعنی فلاں شخص نے میرے درہم میرے قبضہ میں دے دیے۔ اور میں نے اس سے پورے کر لیے۔ خیال فرمائیے۔ یہ محاورہ قبض جسم کی مثال ہے۔ (جس کے مرزا صاحب منکر ہیں) جیسے یہ محاورات ہیں سلم فلان درہمی الی و تسلمتها منہ یعنی فلاں شخص نے میرے درہم مجھے سپرد کر دیے اور میں نے اس سے لے لیے اور کبھی توفی بمعنی استوفی آتا ہے جس کے معنی پورا لینے کے ہیں۔ ان دونوں معنی کے اعتبار سے (کہ خود توفی کے معنی بھی قبض کرنا ہے اور توفی کے معنی استوفی بھی ہیں) حضرت مسیح علیہ السلام کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر چڑھالے جانا ان کی توفی ہے۔ اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ جب توفی بعینہم رفع جسم ہوا۔ تَوَفَّيْتَنِي کے بعد اَفْعَلْکَ اِلٰی کہنا تکرار بلا فائدہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تَوَفَّيْتَنِي کے فرمانے سے صرف قبض کرنا معلوم ہوا جو ایک جنس اور عام مفہوم ہے اور اس کے تحت میں کئی انواع و اقسام پائے جاتے ہیں

1.....موت (جس میں صرف روح کو قبض کرنا ہوتا ہے)

2.....جسم کو آسمان پر لے جانا (جس میں روح کی شمولیت بھی پائی جاتی ہے)

3.....نوم جس میں ایک قسم کا قبض روح ہوتا ہے۔ پس جب متوفیک فرمانے کے بعد وَرَافِعُكَ اِلٰی بھی فرمادیا تو اس سے اس جنس کی ایک نوع کا تقرر ہو گیا

اور تکرار لازم نہ آیا۔“

اسی تفسیر میں آیات زیر بحث کی تفسیر میں ہے۔ يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ کے معنی ہیں۔ خدا تعالیٰ تم کو رات کو سلا دیتا ہے اور تمہاری ان ارواح کو قبض کر لیتا ہے۔ جن سے تم اور اک اور تمیز کر سکتے ہو۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے کہ خدا تعالیٰ ارواح کو نیند کے ساتھ قبض کرتا ہے جیسا کہ موت کے ساتھ قبض کرتا ہے۔

لغات اور تفاسیر کے بعد آپ قرآن مجید کی آیات ذیل پر غور فرمائیے وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى (الانعام 60)

”خدا وہ ہے جو تم کو رات کے وقت پورا قبض کر لیتا ہے اور جو تم دن کو کیا کرتے ہو۔ اس کو جانتا ہے پھر تم کو دن میں اٹھاتا ہے تاکہ تمہاری میعاد حیات پوری کرے۔“

مرزا صاحب جو (ازالہ کے صفحہ 600 خزائن جلد 3 صفحہ 424) پر توفی کے معنی صرف امات یعنی ماردینا اور روح کو قبض کر کے جسم کو بیکار چھوڑ دینا بتاتے تھے۔ اپنے ان معنی کو ملحوظ رکھ کر ذرا اس آیت کا ترجمہ تو کر دیں مگر یاد رکھیں کہ اگر اس شانہ روزی موت کا آپ نے اقرار کر لیا تو آپ کے بیسیوں دلائل پر پانی پھر جائے گا
اَللّٰهُ يَتَوَفَّي الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الْاَنْفُسَ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاٰخَرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى (الزمر 42)

”خدا تعالیٰ موت کے وقت جانوں کو پورا قبض کر لیتا ہے اور جو نہیں مرتے۔ ان کی توفی نیند میں ہوتی ہے یعنی نیند میں ان کو پورا قبض کر لیا جاتا ہے۔ پھر ان میں جس پر موت کا حکم لگا چکنا ہے۔ اس کو روک لیتا ہے اور دوسری کو (جس کی موت کا حکم نہیں دیا) (نیند میں توفی کے بعد) ایک وقت تک چھوڑ دیتا ہے۔“
مرزا صاحب کو لازم بلکہ واجب ہے کہ اس آیت میں توفی کے معنی ضرور ہی امات کے لیں۔ کیونکہ یہاں نفس انسانی مفعول اور خدا فاعل بھی ہے لیکن اگر ان کو اس جگہ توفی کے معنی امات لینے میں کچھ پس و پیش ہو (جیسا کہ ازالہ صفحہ 332 خزائن جلد 3 صفحہ 269) پر اس تذبذب اور اندرونی بے چینی کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ
”یہ دو موخر الذکر آیتیں اگرچہ بظاہر نیند سے متعلق ہیں۔ مگر درحقیقت ان دونوں آیتوں میں نیند نہیں مراد لی گئی“

تو ان کو (ازالہ صفحہ 601 خزائن جلد 3 صفحہ 424) پر لکھے ہوئے الفاظ سے ذرا شرم فرمائی چاہیے کہ

”قرآن شریف میں اول سے آخر تک توفی کے معنی امات کا ہی التزام کیا گیا ہے۔“

حوالہ کتب لغت اور نقل محاورات اور ثبوت آیات قرآنیہ کے بعد میں بہتر سمجھتا ہوں کہ (ازالہ صفحہ 601 کے جواب میں اسی کا صفحہ 332 خزائن جلد 3 صفحہ 269) پیش کردوں۔ جس میں آپ نے توفی کے معنی اس جگہ بظاہر نیند ہونا قبول کر لیے ہیں اور پھر لکھا ہے کہ اس جگہ توفی سے حقیقی موت نہیں بلکہ مجازی موت مراد ہے۔ جو نیند ہے ہم کو آپ کا اس قدر اقرار پس ہے کیونکہ خواہ آپ نے لفظ بظاہر کی قید لگائی یا مجازی کی۔ بہر حال آپ کا وہ دعویٰ (ازالہ صفحہ 918 خزائن جلد 3 صفحہ 603) قرآن مجید میں لفظ توفی بجز معنی امات کے دوسرے معنی میں مستعمل ہی نہیں ہوا غلط ثابت ہو گیا۔

لفظ توفی پر اس قدر بحث و تحقیق کے بعد اب میں مرزا صاحب کی وجہ استدلال کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ جس سے آپ نے اس آیت کو تیسری دلیل وفات مسج علیہ السلام پر قرار دیا ہے۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ ”فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ“ سے پہلے یہ آیت ہے اِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسٰى الْخِ قَالَ مَا ضِىْعَہٗ۔ اور اِذْ جِئْتَ بِمَا ضِىْعَہٗ کے واسطے آتا ہے اس سے پہلے موجود ثابت ہوا یہ قصہ نزول آیت کے وقت ایک ماضی قصہ تھا نہ زمانہ استقبال کا۔ پھر جو جواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہے
لِیَعْنٰی فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ وہ بھی صیغہ ماضی ہے۔ غرض اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مرچے اور اس مرنے کا اقرار خود ان کی زبان کا موجود ہے۔“

(ازالہ ادہام صفحہ 602 خزائن جلد 3 صفحہ 425)

ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رب العالمین کے اس سوال و جواب کو زمانہ مستقبل کا سوال و جواب ثابت کر دیں اور پھر توفیقینی کے جو معنی رَفَعْتَنِي إِلَى السَّمَاءِ عام مفسرین نے لیے ہیں۔ اس کا قرینہ اسی آیت میں سے نکال دیں تو کچھ شک نہیں کہ مرزا صاحب کی یہ دلیل بھی ان کے حق میں بالکل بودی اور ضعیف ثابت ہو جائے گی۔ واضح ہو کہ قَال کے ماضی ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔ مگر یہ غلط ہے کہ اِذ صرف ماضی کے واسطے آتا ہے۔ یا جب ماضی پر آتا ہے تو اس جگہ زمانہ مستقبل مراد ہونا ممتنع ہوتا ہے۔ دیکھو وَلَوْ تَرَى اِذْ فَرَعُوْا اَوْ اِذْ تَبَرَّ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا مِثْلَ مَا هِيَ مَرُوْا بِحَالِ قِيَامَتِ كَيْفَ لِيْهِ عَلٰى هٰذَا مَضَارِعٌ پَرَبِحِي اِذْ آيَاہ۔



پڑھو یہ آیت وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ اَوْ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ مَرْبٰہَا سُنْتُ اللّٰہِ یہ ہے کہ زمانہ مستقبل کے جن امور کا ہونا یقینی اور ضروری ہے۔ ان کو بصیغہ ماضی بیان کیا جایا کرتا ہے۔ جس شخص کو نظم قرآنی کے سمجھنے میں ذرا بھی مناسبت ہوگی۔ جس نے معمولی توجہ سے بھی قرآن مجید کے ایک پارہ کی تلاوت کی ہوگی۔ وہ ہمارے بیان کی صداقت سے بخوبی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ قیامت کا ذکر خصوصیت سے ایسا ذکر ہے۔ جس کو جا بجا صیغہ ماضی سے بیان کیا گیا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح واقعات گذشتہ کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح احوال قیامت میں کسی کو محال انکار و مقام شبہ باقی نہ رہ جائے۔

مثلاً حدیث صحیح میں آیا ہے جَاءَتْ الرَّاجِفَةُ تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ پہلا نفلخ صورت آ گیا۔ اس کے ساتھ دوسرا بھی ہے۔ قرآن میں ہے اَتَمَّ اللّٰہِ قِيَامَتِ آ گئی۔ گو جَاءَتْ اور اَتَمَّ صیغہ ماضی ہیں۔ مگر زبان مستقبل کی خبر دیتے ہیں۔ اس طرز کلام میں یہ سمجھنا مقصود ہوتا ہے کہ ان امور کا واقع ہونا ذرا بھی غیر یقینی نہیں۔ اب یہ معلوم کرنے کے لیے کہ یہ پرسش و گزارش یہ سوال اور جواب زمانہ ماضی کا ایک قصہ نہیں بلکہ یَوْمَ السَّيِّئِ کے وقوعی امر کا اخبار ہے۔ آپ قرآن مجید کی طرف توجہ فرمائیے کہ شروع قصہ مسیح ابن مریم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عَلِمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلٰمُ الْغُيُوْبِ (المائدہ 109)

”جس دن خدا تعالیٰ رسولوں کو اکٹھا کر کے فرمائے گا تم کو تمہاری امتوں نے کیا جواب دیا۔ عرض کریں گے ہم کو اس کی خبر نہیں۔ تو علام الغیوب ہے۔“ الرسل لانے کے بعد ایک اولوالعزم رسول کے ساتھ جو سوال و جواب ہوں گے۔ ان کی خصوصیت سے تصریح بھی فرمادی اور اس سوال و جواب کے لکھنے سے پہلے مسئول عنہ کی قدر و منزلت دکھلانے کے واسطے ان نعمتوں عزتوں کا شمار بھی فرمایا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی تھیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس ہولناک دن میں کیسے کیسے ممتاز رسولوں کو اپنی اپنی پڑی ہوگی اور مشرکین کو ان کے معبود ذرا بھی فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔

پھر دیکھو کہ اس جواب و سوال کے ختم ہونے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بے گناہی کو تسلیم کر لینے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (مائدہ 118) کا اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا ہے قَالَ اللّٰہُ هٰذَا يَوْمَ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (مائدہ 119) ”آج تو وہ دن ہے کہ صادقین کو ان کا صدق نفع پہنچائے۔“ اب اس میں تو شک نہیں کہ ہٰذَا يَوْمَ اس سوال و جواب کے دن ہی کو کہا گیا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ کا ظہور قیامت کے روز ہی ہونا ہے لہذا مرزا صاحب کو چاہیے کہ اب اِذْ قَال کی کوئی اور توجیہ پیش کریں۔



اب ناظرین آیت ومعنی آیت ملاحظہ فرمائیں وَ كُنْتُ عَلٰیہُمْ شَہِيْدًا مَا دُمْتُ فِيْہُمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتُ اَنْتَ الرَّقِيْبُ عَلٰیہُمْ (مائدہ 117) میں ان کی نگہبانی کرتا رہا۔ جب تک ان کے درمیان موجود رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ان کا نگہبان اور رکھوالا تھا۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دینے کے وقت اِنْسِيْ مُصَوِّفِيْكَ وَ رَفَعَكَ اِلٰی فرمایا تھا۔ تو فی کے معنی ہیں۔ کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔ یہ ایک جنس ہے۔ جس کے تحت میں بہت انواع ہیں۔ رفع بھی اسی کی ایک نوع ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بَلْ رَفَعَهُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کے لفظ سے خبر دی ہے تاکہ تعین ہو جائے اور اس لیے جب مفسرین نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ خود اس جنس سے تعین ایک نوع کی فرما چکا ہے تو انھوں نے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کے معنی بھی مراد سبحانی و تعین ربانی کے موافق کیے۔ جس کو مرزا صاحب نے خود نہیں سمجھا اور اس غلط فہمی کی وجہ سے سب مفسرین پر الحاد اور تحریف کرنے کا فتویٰ جاری کر دیا۔ حضرت اس میں مفسرین کا کچھ قصور نہیں۔ اگر تحریف اسی کا نام ہے تو وہ خود اس کلام پاک اور قدیم کے متکلم کی طرف سے وقوع

میں آئی ہے۔ جو فوتے لگانا ہو اس پر لگائیے۔

جواب.....2

خارجی دلائل کو تائید میں لانے سے پہلے خود اس آیت کے اندر دلائل کے تلاش کرنے سے بہت کچھ ملتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یوں عرض کیا ہے کُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ۔ ”یعنی جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا تب تک ان کا نگہبان تھا۔ یہ الفاظ بآواز بلند پکار رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رہنے یعنی زندگی بسر کرنے کا کوئی ایسا زمانہ بھی ہے جبکہ وہ اپنی امت میں موجود نہیں رہے اور ان کو منصب رسالت و تبلیغ و وعظ و انداز سے کوئی علاقہ بھی نہیں رہا اور کچھ شک نہیں کہ وہی زمانہ صعود برسماء کا ہے۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول مَا دُمْتُ فِيهِمْ کے معنی سمجھنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوسرے قول مَا دُمْتُ حَيًّا پر بھی نظر ڈالنی چاہیے کہ پہلے قول میں آپ نے فرمایا ہے۔ ”جب تک میں ان کے درمیان رہا“ اور دوسرے قول میں ہے۔ ”جب تک میں زندہ رہوں۔“ پہلے میں ان کے درمیان رہنے کی قید اور دوسرے قول میں ”نماز و زکوٰۃ کے لیے حیات کی قید“ کیا معنی رکھتی ہے۔ اگر فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی موت کا بیان کرنا تھا تو اس کے لیے نہایت واضح لفظ یہ تھے کہ یوں فرماتے کُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ حَيًّا فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبُ جبکہ ایسا نہیں فرمایا تو ثابت ہوا کہ آپ کی یہ تیسری مستدلہ آیت بھی آپ کے دعویٰ کا کچھ ثبوت نہیں بلکہ روشن ہو گیا کہ حیات مسیح علیہ السلام کے لیے ہماری دلیل ہے۔ ناظرین کو یہ بھی واضح ہو کہ مرزا صاحب نے اپنی دیگر مستدلہ آیات کی نسبت تو دلالت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی یہ آیت دلالت کرتی ہے اور وہ آیت دلالت کرتی مگر اس تیسرے نمبر کی آیت کی نسبت یہ الفاظ لکھے تھے کہ یہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے مرنے پر کھلی کھلی گواہی دے رہی ہے اور جو آیت ان کے زعم میں کھلی کھلی دیتی تھی اسی میں ان کا ضعف استدلال اس قدر ہے۔

اعتراض امت کے بگڑنے کا علم مسیح علیہ السلام کو قیامت کے دن دیا جائے گا۔

جواب.....3

یہ کسی آیت سے بھی ثابت نہیں۔ قطعاً بے بنیاد ہے خود مرزا صاحب مانتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کو قیامت سے پیشتر امت بگڑنے کی اطلاع ہے۔

”میرے پر یہ کشف ظاہر کیا گیا کہ یہ زہر ناک ہوا جو عیسائی قوم میں پھیل گئی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس کی خبر دی گئی۔“

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ 254 خزائن جلد 5 صفحہ ایضاً)

”خدا نے تعالیٰ نے اس عیسائی فتنہ کے وقت میں یہ فتنہ حضرت مسیح علیہ السلام کو دکھایا گیا یعنی اس کو آسمان پر اس فتنہ کی اطلاع دی گئی۔“

(آئینہ کمالات صفحہ 268 خزائن جلد 5 صفحہ ایضاً)

حضرات! ہمارے پاس قرآن پاک کی نص صریحہ اور احادیث نبویہ صحیحہ ہیں جو اس بات پر شاہد ہیں کہ مسیح دنیا میں آئیں گے اور آکر اپنی امت کا حال زبون ملاحظہ کر کے قیامت کو ان پر گواہ ہوں گے۔ بخلاف اس کے مرزا صاحب اپنا کشف بتاتے ہیں۔ اول تو خلاف قرآن و حدیث کسی کا کشف خود عند المرزاقابل حجت نہیں۔

(ازالہ اوہام صفحہ 567 خزائن جلد 3 صفحہ 405)

دوم یہ کشف ہمارے مخالف نہیں بلکہ ہمارے بیان کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے یعنی مسیح علیہ السلام کو قبل از نزول آسمان پر اس کی خبر دی گئی اور بعد از نزول بموجب آیت قرآن و احادیث نبویہ علیہ السلام کچھ خود ملاحظہ فرمائیں گے بہر حال یہ متعین ہو گیا کہ مسیح کو قیامت سے پیشتر امت بگڑنے کا پتہ ہے فہو المطلب۔

ہماری اس تقریر سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ احمدی جو کہا کرتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام قیامت کے دن اپنی لاعلمی کا اظہار کریں گے۔ یہ ازسرتاپا جھوٹ فریب بہتان افتراء ہے۔

ایک اور طرز سے

احمدیوں کو مسلم ہے کہ عیسائی بعد تو فی مسیح کے بگڑے ہیں اور یہ بھی ان کا مذہب ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد آپ کشمیر چلے آئے، ایک سو بیس برس زندہ رہے۔

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ 27 خزائن جلد 20 صفحہ 29)

”حالانکہ انجیل پر ابھی پورے تیس برس نہیں گزرے تھے کہ بجائے خدا کی پرستش کے ایک عاجز انسان کی پرستش نے جگہ لے لی۔“

(چشمہ معرفت صفحہ 254 خزائن جلد 23 صفحہ 266)

مذکورہ بالا بیان سے بلا تاویل ثابت ہے کہ مسیح علیہ السلام کی ہجرت کشمیر کے بعد فوراً مثلیٹ پھیل گئی تھی۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ توفی کے معنی موت نہیں ہیں۔

اعتراض

بخاری کی حدیث میں ہے کہ عیسیٰ اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن کہیں گے کہ میری توفی کے بعد میری امت بگڑی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی مثال دیں گے پس ثابت ہوا کہ توفی کے معنی موت ہیں۔

جواب.....4

ایک ہی لفظ جب دو مختلف اشخاص پر بولا جائے تو حسب حیثیت و شخصیت اس کے جدا جدا معنی ہو سکتے ہیں۔ دیکھئے حضرت مسیح علیہ السلام اپنے حق میں نفس کا لفظ بولتے ہیں اور خدائے پاک کے لیے بھی ”تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک“ (مائدہ 116) اب کیا خدا کا نفس اور مسیح علیہ السلام کا نفس ایک جیسا ہے؟ ہرگز نہیں! ٹھیک اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی توفی بمعنی اخذ الشی و افیسا پورا لینے کے ہے کیونکہ اگر موت لی جائے تو علاوہ نصوص صریحہ جن میں حیات مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے کہ خلاف ہونے کے یہود پلید کی تائید و تصدیق ہوتی ہے کیونکہ وعدہ توفی و رفع کا۔ بلا توقف و بجلد ”پورا ہوا ہے جو سوائے رفع جسمانی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔“

چوتھی آیت

جس کا موت مسیح علیہ السلام پر دلالت کرنا مرزا صاحب نے تحریر کیا ہے۔ وہ یہ ہے اِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ اس کی وجہ استدلال مرزا صاحب نے اس جگہ کچھ نہیں لکھی۔ صرف یہ تحریر کیا ہے کہ اس کی تفسیر اسی رسالہ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ ناظرین واضح ہو کہ اس آیت میں غور طلب تین الفاظ ہیں۔ اول ”لِيُؤْمِنَنَّ“ دوم بہ سوم۔ قَبْلَ مَوْتِهِ۔ مرزا صاحب نے لِيُؤْمِنَنَّ کو صیغہ ماضی بنا کر ترجمہ کیا ہے اور یہ الفاظ لکھے ہیں کہ ”کوئی اہل کتاب نہیں جو اس بیان پر ایمان نہ رکھتا ہو۔“

(ازالہ صفحہ 372 خزائن جلد 3 صفحہ 291)

حالانکہ تمام روئے زمین کے علماء علم نحو کا اس قاعدے پر اتفاق ہے کہ جب مضارع پر لام تاکید اور نون ثقیلہ واقع ہوتے ہیں تو فعل مضارع اس جگہ خالص مستقبل کے لیے ہو جاتا ہے۔ یہ ایسا قاعدہ ہے۔ جس کو مرزا صاحب آج تک غلط ثابت نہیں کر سکے اور نہ کر سکیں گے بلکہ جب یہاں آ کر نہایت بے دست و پا ہو گئے تو یہ جواب بنایا ”ہمارے پر اللہ اور رسول نے یہ فرض نہیں کیا کہ ہم انسانوں کے خود تراشیدہ قواعد صرف و نحو کو اپنے لیے ایسا رہبر قرار دے دیں کہ باوجودیکہ ہم پر کافی اور کامل طور پر کئی معنی آیت کھل جائیں اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت بھی مل جائے۔ تو پھر بھی ہم اسی قاعدہ یا نحو کو ترک نہ کریں۔ اس بدعت کے التزام کی ہمیں حاجت ہی کیا ہے۔“

(مباحثہ دہلی صفحہ 53 خزائن جلد 4 صفحہ 183)

(صرف نحو کو بدعت کہنا یہی مرزا صاحب کی بدعت ہے۔ شاہ اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ ”ایضاع الحق الصریح“ میں فرماتے ہیں۔ جمع قرآن و ترتیب سور و نماز تراویح و اذان اول برائے نماز جمعہ و اعراب قرآن مجید، و مناظرہ اہل بدعت بدلائل نقلیہ، و تصنیف کتب حدیث۔ تین قواعد نحو، و تنقید رواۃ حدیث، و اہتعال یا استنباط احکام فقہ بقدر حاجت، ہمہ از قبیل ملحق بالسنۃ ست کہ در قرون مشہود لہا بالخیر مروج گردیدہ، و بآں تعامل بلا تکلیف در آں قرون جاری شدہ، چنانچہ بر ماہر فن مخفی نیست، مرزا صاحب دیکھیں کہ قواعد نحو کو کن علوم ہمایوں کے پہلو میں جگہ دی گئی ہے پھر اس کا ملحق بالسنۃ ہونا، قرون مشہود لہا بالخیر میں بلا انکار احد سے مروج ہونا اور تعامل کے زبردست سلسلہ میں (جس یک اوٹ آپ اکثر لیا کرتے ہیں) آجانا یہ سب امور کس وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں اور آخر فقرہ میں یہ بھی ظاہر فرما دیا ہے کہ ان سے انکار کرنے والا تاریخ اسلامی سے ناواقف محض ہے۔)

اس جواب سے جو علویت و قابلیت اور پھر اس پر زبان دانی اور الہام یا بانی کا افتخار ظاہر ہو رہا ہے۔ وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیسری آیت کی وجہ استدلال میں جب مرزا صاحب نے حرف اِذ اور قَاتِ پر نحوی بحث کی تھی۔ اس وقت تو اس بدعت کے التزام کی ان کو حاجت تھی۔ اب کہ اس التزام سے دعویٰ ٹوٹتا ہے اور بے شمار وسوسوں و دوراز کار خیالات (جن کو بڑی آب و تاب کے ساتھ مجموعہ اوہام میں جلوہ دیا گیا ہے) ہبّاء مَسْئُورًا کی طرح اڑے جاتے ہیں تو اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کو اس التزام بدعت کی کچھ حاجت نہیں رہی۔ مگر اس لیے کہ آپ کو اس کی حاجت نہیں رہی۔ لازم نہیں آتا کہ قاعدہ نحوی کی صحت بھی باقی نہیں رہی۔ ناظرین یاد رکھیں کہ لِيُؤْمِنَنَّ خالص مستقبل کے لیے ہے۔

(ایک دوسری آیت میں ہے ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ (آل عمران 81) صرف حاضر و غائب کا فرق ہے۔ مرزا صاحب اس کو بھی ماضی بنا کر ترجمہ کر دکھائیں۔)

دوسری بحث ”بہ“ کی ضمیر پر ہے کہ اس کا مرجع کون ہے۔ مرزا صاحب ”بہ“ کا مرجع بیان مذکورہ بالا کو بتاتے ہیں۔

(ازالہ صفحہ 372 خزائن جلد 3 صفحہ 291)

اور ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو۔ لیکن بیان مذکورہ کو مرجع قرار دینے سے ہمارا کچھ حرج نہیں۔ یعنی محض ————— کا مرجع بیان مذکورہ قرار دینے سے مرزا صاحب کا مذہب ثابت ہونا ممکن نہیں۔ تیسری بحث قَبْلَ مَوْتِهِ کی ضمیر پر ہے اور یہ بھی لِيُؤْمِنَنَّ کی طرح ضروری بحث ہے کیونکہ جو کوئی قَبْلَ مَوْتِهِ کی ضمیر کا مرجع قرار دیا جائے گا۔ اسی کی حیات بالفعل ثابت ہو جائے گی۔ بعض مفسرین نے قَبْلَ مَوْتِهِ کے مرجع قرار دینے میں مختلف اقوال لکھے ہیں۔ مگر اہل سنت والجماعت کے جمہور کا مختار مذہب یہ

ہے کہ قَبْلَ مَوْتِهِ کی ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ مرزا صاحب نے بھی مسلمانوں کے حال پر رحم فرما کر

(ازالہ صفحہ 372 خزائن جلد 3 صفحہ 291)

پر قَبْلَ مَوْتِهِ کی ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا ہے اور گواہی آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے بڑے بڑے لمبے جملہائے معترضہ بیچ میں ڈال کر معنی کچھ کے کچھ کر گئے ہیں مگر ہم اس کو لاکھ غنیمت سمجھتے ہیں کہ قَبْلَ مَوْتِهِ کے مرجع میں وہ ہم سے خلاف نہیں۔

(ازالہ صفحہ 385 خزائن جلد 3 صفحہ 298)

(مرزا صاحب نے بہ کی ضمیر کا مرجع بیان مذکورہ اور قَبْلَ مَوْتِهِ کا مرجع کتابی ہی بتایا ہے مگر معلوم نہیں کہ یوم القيامة یکون علیہم شہیدا میں ”یکون“ کا فاعل کس کو قرار دیں گے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی قرار دیں گے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ضمائر میں اس قدر بعد و انفعال تقید کلام میں داخل ہے جو فصاحت و بلاغت سے سخت مخالف ہے۔ پھر قَبْلَ مَوْتِهِ کی ضمیر کا مرجع کتابی کو کہنا اس لیے غلط ہے کہ اس صورت میں ”قبل موتہ“ کا جملہ کلام میں ذرا بھی فائدہ نہیں دیتا کیونکہ لُيُؤْمِنُ مَنْ میں جو ایمان لانے کی خبر ہے۔ وہ خود حیات کتابی کی متقاضی ہے۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ بعد از موت یقین کرنے کا نام بھی شرع میں ایمان رکھا گیا ہے اور یہ بالبداهت باطل ہے۔ واضح رہے کہ شرع میں حالت نزع بھی بعد از موت میں داخل اور زمانہ حیات سے خارج ہے۔ دیکھو جب فرعون نے اپنے غرق ہونے کو یقینی معلوم کر کے اَمْسَتْ يَرْبِّ بَنِي إِسْرَءِيلَ کہا تو اس کے جواب میں اس کو یہی کہا گیا۔ والان وقد حصص الحق غرض مرزا صاحب کے معنی ہر طرح سے نظم قرآنی کے خلاف ہیں۔ اگرچہ ان کے وہ معنی بھی کسی طرح سے مفید مطلب نہیں ہو سکتے کیونکہ لُيُؤْمِنُ مَنْ مَضَى نہیں بن سکتا۔) پھر قندکمر کے طور پر اس شہادت کو ادا کیا ہے اور تسلیم کر لیا کہ قَبْلَ مَوْتِهِ کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ وہ کہتے ہیں ”کہ قَبْلَ مَوْتِهِ کی تفسیر یہ ہے کہ قبل ایمانہ بموتہ“ ہم کو ان معنی سے کچھ سروکار نہیں۔ ضمیر کا مرجع جس کو ہم نے قرار دیا تھا۔ اسی کو مرزا صاحب نے تسلیم بھی کر لیا وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اب اس تسلیم کے بعد مرزا صاحب اور ان کے تمام اعیان و انصار کے لیے محال کلی ہے کہ اس آیت سے وفات عیسیٰ علیہ السلام کی (صراحت تو کیا) دلالت بھی ثابت کر سکیں۔ اب اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

1..... اور نہیں کوئی اہل کتاب سے۔ مگر البتہ ایمان لائے گا ساتھ اس کے پہلے موت اس کی کے۔ (شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ)

2..... اور جو فرقہ کتاب والوں میں سے ہے۔ سو اس پر یقین لائیں گے اس کی موت سے پہلے۔ (شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ)

3..... ونباشد هیچ کس از اہل کتاب الایمان آورد بہ عیسیٰ پیش از مردن عیسیٰ۔ (شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ)

ان ہر سہ تراجم میں ”بہ“ اور قبل ”موتہ“ دونوں کی ضمیروں کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یہی مذہب جمہور ہے۔

4..... اور نہیں کوئی اہل کتاب سے مگر البتہ ایمان لائے گا وہ قرآن کے بیان مذکورہ بالا پر پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے (مرزا غلام احمد صاحب)

یہ معنی مرزا صاحب کے مذہب پر ہیں جو ”بہ“ کا مرجع بیان کو اور ”موتہ“ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہتے ہیں۔

اور ان سب صورتوں میں حیات مسیح علیہ السلام ثابت ہوتی ہے۔ وفات کا کیا ذکر ہے اور اس آیت سے مرزا صاحب کو استدلال کرنے کی کیا وجہ ہے؟ یاد رکھو کہ جب تک مرزا صاحب لُيُؤْمِنُ مَنْ کو مفید معنی ماضی ثابت نہ کر سکیں۔ تب تک وہ اس آیت سے استدلال کا نام بھی نہیں لے سکتے اور وہ ثابت کرنا اس وقت تک ان پر محال ہے جبکہ موجودہ علم نحو کی تمام کتابوں کو ڈبو کر اور تمام عرب اہل زبان کو دریا برد کر کے از سر نو ملک عرب آباد نہ کریں اور اس میں اپنا نواہیجا کردہ صرف و نحو جاری نہ فرمائیں



پانچویں آیت

مرزا صاحب نے وفات مسیح کے ثبوت میں تحریر کی ہے۔ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَا كِلَانِ الطَّعَامِ آیت مذکورہ کو مرزا صاحب نے موت مسیح علیہ السلام پر نص صریح لکھ کر بتایا ہے کہ وجہ استدلال یہ ہے کہ ”کنا“ حال کو چھوڑ کر گزشتہ کی خبر دیا کرتا..... اس جگہ ”کنا“ تشبیہ“ ہے..... دونوں اس ایک ہی حکم میں شامل ہیں۔ یہ نہیں بیان کیا گیا کہ حضرت مریم علیہا السلام تو بوجہ موت طعام کھانے سے روکی گئیں لیکن حضرت ابن مریم کسی اور وجہ سے۔“ اس کے بعد مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ”اگر اس آیت کو مَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامُ کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو یقینی و قطعی نتیجہ یہ ہے کہ فی الواقع حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے۔“

(ازالہ ص 603 خزائن ج 3 ص 426)

ناظرین! یہ غلط ہے کہ کنا ہمیشہ حال کو چھوڑ کر گزشتہ زمانہ کی خبر دیا کرتا ہے۔ اگر یہی صحیح ہے تو كَانَ اللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (فتح 21) کا ترجمہ مرزا صاحب کر کے دکھائیں۔ کیا خدا پہلے قادر تھا اب نہیں؟ معاذ اللہ۔ یا ما كان للنبي والذين امنوا ان يستغفروا للمشركين (توبہ 113) کیا مشرکین کے گزشتہ زمانہ میں استغفار ناجائز تھا۔ اب جائز ہے؟ نہیں ہرگز نہیں تو ثابت ہوا کہ ان صرف ماضی کے لیے نہیں بلکہ حال و مستقبل کو بھی شامل ہوتا ہے؟ اب حقیقت حال سنئے۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے دو فرقوں کی تردید و تکذیب دلائل عقلی سے فرمائی ہے اور ان کے کفر کا ثبوت دیا ہے۔

1..... لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ. وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنِي إِسْرَءِيلَ ااعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ. (مائدہ 17)

”البتہ وہ کافر ہوئے۔ جن کا یہ قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے کیونکہ مسیح نے تو خود کہا ہے۔ لوگو میرے اور اپنے خدا کی عبادت کرو۔“

2..... لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ثَلَاثَةٌ (مائدہ 73)

”البتہ وہ بھی کافر ہوئے جو خدا کو تثلیث کا ایک اقنوم کہتے ہیں۔“

3..... مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ. كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ. (مائدہ 75)

”اور مسیح بن مریم تثلیث کے دوسرے دو اقنوم جیسا کہ رو من کی تھلک کا اعتقاد ہے بھی خدا نہیں کیونکہ مسیح بن مریم تو رسول ہے اس سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں اور اس کی ماں صحابیہ و صدیقہ ہے۔ دونوں طعام کھایا کرتے تھے۔“

صاف ظاہر ہے کہ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کو عیسائیوں کی غلطی ثابت کرنا اور ان کے کفر پر دلیل قائم کرنا منظور تھا جو مسیح علیہ السلام ہی کو خدا قرار دیتے تھے۔ ان پر یوں دلیل قائم کی کہ مسیح علیہ السلام خود لوگوں کو یوں کہا کرتا تھا کہ میرے رب اور اپنے رب کی عبادت کرو اگر وہ خود خدا ہوتا تو وہ یوں کہا کرتا۔ ”لوگو میں جو تمہارا رب ہوں۔ میری عبادت کرو۔“ لیکن جب مسیح علیہ السلام نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے تو اس تربیت یافتہ کو رب کہنا کفر ہے۔ جو لوگ ایک خدا کو تین خدا اور تین خدا کو ایک خدا کہتے اور خدا، مسیح۔ مریم کو اقنوم ثلاثہ قرار دیتے تھے۔ خداوند کریم نے ان پر دلیل قائم کی کہ جب ہزاروں، لاکھوں شخصوں نے ان دونوں ماں بیٹا کو لوازم بشری کے محتاج اپنی طرح پایا اور دیکھا ہے اور بائیں ہمہ پھر ان کو خدا کہنے کی جرأت کی ہے۔ یہ بھی ان کا کفر ہے۔ اب ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ اس میں موت و حیات کی کیا بحث ہے؟ جب اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے وہ مراد ہی نہیں لی تو مرزا صاحب متکلم کے خلاف ان الفاظ سے معافی نکالنے کے کیا مجاز ہیں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ تفسیر بالرائے کا کیا حکم ہے؟

علاوہ اس کے مرزا صاحب کو خدا قرار ہے کہ ”حضرت مریم علیہا السلام کے طعام نہ کھانے کی وجہ موت اور ابن مریم کے طعام نہ کھانے کی کوئی دوسری وجہ بیان نہیں کی گئی۔ صرف کنا کہا گیا ہے“

تو اس صورت میں مرزا صاحب کا کیا حق ہے کہ جس امر کی وجہ اس آیت میں بیان نہیں ہوئی اس کو آپ خود بیان کریں بلکہ اس پر جزم بھی کر دیں۔ کیا ممکن نہیں کہ دو شخصوں کا ایک مشترکہ فعل سے جدا ہونا مختلف اسباب سے ہو۔ مثلاً زید اور عمرو پار سال دونوں لاہور رہتے تھے۔ زید نے تعلیم چھوڑ دی اور عمر ولایت چلا گیا۔ اس مثال میں دیکھو۔ لاہور میں رہائش دونوں کا مشترکہ فعل ہے مگر اس سے جدا ہونے کے مختلف اسباب ہیں۔

مرزا صاحب! اگر ایسے دلائل ہی آپ کے مذہب کے مؤید ہیں تو اس کے مقابلہ میں کوئی شخص یہ آیت پیش کر سکتا ہے

قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَفِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (مائدہ 17)

”یہ کہہ دے کوئی چیز خدا کی روک بن سکتی ہے۔ اگر وہ یہ چاہے کہ مسیح علیہ السلام اور اس کی ماں کو نیز تمام مخلوق کو جو کل صفحہ زمین پر ہے۔ ہلاک کر دے، اگر

ہلاک کر دے بتا رہا ہے کہ اب تک اللہ تعالیٰ نے ہلاک نہیں کیا۔“

اور کہہ سکتا ہے کہ نہ کبھی جَمِيعَ مَنْ فِي الْأَرْضِ ہلاک ہوئے اور نہ مسیح علیہ السلام اور نہ ان کی مادر صدیقہ ہی کو ہلاکت نے اپنا اثر پہنچایا۔ جس طرح آج

جَمِيعَ مَنْ فِي الْأَرْضِ زندہ ہیں مسیح اور اس کی ماں بھی زندہ ہے۔ اگر آپ اس کو صحیح نہیں مان سکتے تو وہ آپ کا استدلال باولی غیر صحیح اور سراپا غلط ہے۔

اس آیت کو آپ نے نص صریح کہہ کر پھر استدلال کے وقت اس کے ساتھ دوسری آیت کو ملانے اور پھر یقینی نتیجہ پر پہنچنے کی نسبت جو لکھا ہے۔ اس سے صاف

ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک بھی یہ آیت نص صریح ”لذاتِہا“ نہیں اور نہ ہو سکتی ہے۔ دوسری آیت جس کو ملا کر آپ نے اس دلیل کو کامل بنایا ہے۔ اس کی بحث ذیل میں

آتی ہے۔



چھٹی آیت

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (الانبیاء 8)

”اور نہیں بنائے تھے ہم نے ان کے ایسے بدن کہ وہ کھانا نہ کھائیں۔“

قادیانی استدلال

”درحقیقت یہی اکیلی آیت کافی طور پر مسیح علیہ السلام کی موت پر دلالت کر رہی ہے، کیونکہ جبکہ کوئی جسم خاکی بغیر طعام کے نہیں رہ سکتا، یہی سنت اللہ ہے، تو پھر حضرت مسیح علیہ السلام کیوں اب تک بغیر طعام کے زندہ موجود ہیں اور اللہ جل شانہ فرماتا ہے وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا اور اگر کوئی کہے کہ اصحاب کہف بھی تو بغیر طعام کے زندہ موجود ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ان کی زندگی بھی اس جہان کی زندگی نہیں، مسلم کی حدیث سو برس والی ان کو بھی مار چکی ہے بے شک ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اصحاب کہف بھی شہداء کی طرح زندہ ہیں، ان کی بھی کامل زندگی ہے، مگر وہ دنیا کی ایک ناقصہ کثیفہ زندگی سے نجات پا گئے ہیں، دنیا کی زندگی کیا چیز ہے، اور کیا حقیقت؟ ایک جاہل اس کو بڑی چیز سمجھتا ہے، اور ہر ایک قسم کی زندگی جو قرآن شریف میں مذکور و مندرج ہے اسی کی طرف گھسٹتا چلا جاتا ہے، وہ یہ خیال نہیں کرتا کہ دنیوی زندگی تو ایک ادنیٰ درجہ کی زندگی ہے جس کے ارزل حصہ سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پناہ مانگی ہے اور جس کے ساتھ نہایت غلیظ اور مکروہ لوازم لگے ہوئے ہیں، اگر انسان کو اس سفلی زندگی سے ایک بہتر زندگی حاصل ہو جائے اور سنت اللہ میں فرق نہ آئے تو اس سے زیادہ کونسی خوبی ہے؟“

(ازالہ ادہام صفحہ 605 خزائن جلد 3 صفحہ 426-427)

جواب..... 1

یہ آیت مشرکین مکہ کا جواب ہے جو کہا کرتے تھے۔ مالہذا الرسول یا کل الطعام ویمشی فی الاسواق یہ کیا رسول ہے جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا ہے قرآن مجید نے جواب میں فرمایا و ما جعلنہم جسدًا لا یأکلون الطعام۔ کوئی ایسا انسان نہیں جو کھانا نہ کھاتا ہو۔ پہلے انبیاء بھی کھانا کھاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کھانا کھاتے ہیں۔ اجسام کے لیے طعام ضروری، لیکن آسمان والوں کے لیے آسمانی کھانا۔ زمین والوں کے لیے زمینی کھانا، لیکن اللہ تعالیٰ کبھی ایسا بھی فرماتے کہ زمین والوں کے لیے آسمانی کھانا زمینی کھانے جیسا بھیج دیا۔ جیسے نزول ماندہ۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس سے بھی اعلیٰ کھانا یطمعی ربی و یسقی صوم وصال میں دیکھئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں زمین پر مگر کھانا آسمان والوں کا کھا رہے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر آسمانی کھانا کھاتے ہیں تو اس میں کیا اشکال۔ (تفصیل آگے آئے گی)

جواب..... 2

وفات مسیح پر یہ چھٹی آیت مرزا صاحب نے لکھی ہے وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ اور تحریر کیا ہے کہ درحقیقت یہی اکیلی آیت کافی طور پر مسیح علیہ السلام کی موت پر دلالت کرتی ہے۔ (ازالہ ص 605 خزائن ج 3 ص 426)

اس فقرہ کے الفاظ درحقیقت یہی اکیلے، کافی طور پر ناظرین کی توجہ کے لائق ہیں۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس اکیلی کے سوا مرزا صاحب کی دیگر متدلہ آیات درحقیقت مسیح علیہ السلام کی موت پر دلالت نہیں کرتیں اور اگر ان کو حقیقت کے خلاف اس مسئلہ کی دلیل بنایا بھی جائے تو وہ کافی طور پر دلیل نہیں کہلا سکیں۔ ناظرین یہ کیا صاف اقرار ہے کہ مرزا صاحب کے دل میں بھی باقی ۲۹ آیتیں ان کے مذہب کی تائید پر نہیں قضی الرجل علی نفسه یاد رکھو کہ یہی حصر کے لیے آتا ہے۔ ”اکیلی“ نے اس کو اور بھی پر زور کر دیا۔ مرزا صاحب کی وجہ استدلال یہ ہے کہ جب کوئی جسم خاکی بغیر طعام کے نہیں رہ سکتا تو پھر حضرت مسیح علیہ السلام کیونکر اب تک بغیر طعام کے زندہ موجود ہیں؟ ناظرین اس آیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ کوئی جسم ایسا نہیں جسے طعام (غذا) کی حاجت نہ ہو۔ مگر آیت میں یہ کہاں ہے کہ کوئی جسم ایسا نہیں جو فلاں مدت تک بغیر طعام کے زندہ نہ رہ سکے اور جب یہ نہیں تو مرزا صاحب کے لیے یہ دلیل بھی نہیں۔ مرزا صاحب کا خیال ہے کہ جو شخص ان کی طرح ہر روز دو وقت کھانا نہ کھاتا ہو۔ وہ مردہ ہے۔ اگر یہی صحیح ہے تو فرنجی قوم کے نزدیک جودن میں آٹھ دفعہ کھاتے ہیں۔ کل ہندوستان مردہ ہے اور جو جینی۔ بودہ پچاس پچاس روز کا برت رکھتے ہیں وہ مردہ درگور ہیں۔ ناظرین آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ کسی جسم کا ایک خاص مدت معین تک اکل و شرب سے جدا رہنا تو اس جسم کے مردہ ہونے کی دلیل ہو سکتا ہے اور نہ اس جسم کے لوازم جسمانی سے بے نیاز ہونے کی حجت بن سکتا ہے۔

قرآن مجید اس امر کا گواہ ہے کہ وَلَبِشُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا (کہف 25) اصحاب کہف 309 برس تک اسی معمرہ دنیا کے ایک پہاڑ میں اکل و شرب کے بغیر زندہ رہے اور 309 برس بعد ان کو طعام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ ان میں سے ایک اس وقت طعام لینے کو پہاڑ سے نکلا۔ مرزا صاحب غور کریں کہ جس طرح پر تحقیقات حکماء کو جن کا یہ قول ہے کہ زیادہ سے زیادہ ابن آدم 70 دن تک بلا طعام کے زندہ رہ سکتا ہے۔ 309 برس نے غلط ثابت کر دیا۔

جواب..... 3

دوسری دلیل کو سماعت فرمائیے۔ شاید آپ یہ جانتے ہیں کہ طعام کا لفظ زبان شرع میں صرف نباتات اور زمین کی روئیدگی یا حیوانی غذا کے لیے آتا ہے اور یہی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ آپ یاد رکھیں کہ زبان شرع میں ان انوار و برکات کو بھی طعام کہا گیا ہے۔ جو خواص بشر کی جسمانی اور روحانی تربیت ایسی ہی کرتے ہیں جیسے دیگر ماکولات اور روئیدگی زمینی عوام کی تربیت جسمانی کا کام آتی ہیں۔ ذیل میں مثالیں ملاحظہ ہوں۔

بغیر کھائے پئے زندہ رہنا

1..... اسی طرح کسی جسم عنصری کا بغیر کھائے اور پئے زندگی بسر کرنا بھی محال نہیں۔ اصحاب کہف کا تین سو سال تک بغیر کھائے پئے زندہ رہنا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ وَلَبِشُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا (کہف 25) اس سے مرزا صاحب کا یہ وسوسہ بھی زائل ہو گیا کہ جو شخص اسی یا نوے سال کو پہنچ جاتا ہے وہ محض نادان ہو جاتا ہے کما قال تعالیٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُؤْذِلُ إِلَىٰ أَرْذَلٍ الْعُمْرُ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا (النحل 70) اس لیے کہ ارذل العمر کی تفسیر میں اسی یا نوے سال کی قید مرزا صاحب نے اپنی طرف سے لگائی ہے قرآن و حدیث میں کہیں قید نہیں۔ اصحاب کہف تین سو سال تک کہیں نادان نہیں ہو گئے اور علیٰ ہذا حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام صد ہا سال زندہ رہے اور ظاہر ہے کہ نبی کے علم اور عقل کا زائل ہونا ناممکن اور محال ہے۔

2..... حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب دجال ظاہر ہوگا تو شدید قحط ہوگا اور اہل ایمان کو کھانا میسر نہ آئے گا۔ اس پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اہل ایمان کا کیا حال ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یاجزئہم ما یجزئ اہل السماء من التسبیح و التقدیس (مشکوٰۃ ص 477 باب علامات بین یدی الساعۃ) یعنی اس وقت اہل ایمان کو فرشتوں کی طرح تسبیح و تقدیس ہی غذا کا کام دے گی۔

3..... اور حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی دن کا صوم وصال رکھتے اور یہ فرماتے (ابکم مثلی انی ابیت یطعمنی ربی و یسقینی)

(بخاری جلد 2 صفحہ 1012 باب کم التضریر والادب)

”تم میں کون شخص میری مثل ہے کہ جو صوم وصال میں میری برابری کرے۔ میرا پروردگار مجھے غیب سے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔“

یہ غیبی طعام میری غذا ہے معلوم ہوا کہ طعام و شراب عام ہے خواہ حسی ہو یا غیبی ہو۔ لہذا وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (الانبیاء 8) سے یہ استدلال کرنا کہ جسم عنصری کا بغیر طعام و شراب کے زندہ رہنا ناممکن ہے غلط ہے۔ اس لیے کہ طعام و شراب عام ہے کہ خواہ حسی ہو یا معنوی۔ حضرت آدم علیہ السلام اکل شجرہ سے پہلے جنت میں ملائکہ کی طرح زندگی بسر فرماتے تھے۔ تسبیح و تہلیل ہی ان کا ذکر تھا۔ پس کیا حضرت مسیح علیہ السلام جو کہ نوحہ جبرائیل سے پیدا ہونے کی وجہ سے جبرائیل امین کی طرح تسبیح و تہلیل سے زندگی بسر نہیں فرما سکتے۔

4..... إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ (آل عمران 59) جو آسمانوں پر سیدنا آدم علیہ السلام کی غذا تھی وہی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی۔ حضرت یونس علیہ السلام کا شکم ماہی میں بغیر کھائے پئے زندہ رہنا قرآن کریم میں صراحتہ مذکور ہے اور حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلَّتْ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (الصافات 143-144) اس پر صاف دلالت کرتا ہے کہ یونس علیہ السلام اگر مسبحین میں سے نہ ہوتے تو اسی طرح قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ٹھہرے رہتے اور بغیر کھائے اور پئے زندہ رہتے۔

5..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے ماندہ کا نازل ہونا قرآن کریم میں صراحتہ مذکور ہے کما قال تعالیٰ إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَٰعِيسَىٰ ابْنَ مَرْيَمَ خُلْ يَسْتَطِيعَ رَبُّكَ أَنْ يَنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ (المائدہ 111) اَلِیٰ قَوْلَهُ تَعَالٰی قَالَ عِيسٰی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عَیْدًا اِلاًّ وَلِنَا وَآخِرًا وَآیَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّازِقِیْنَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنْزِلُهَا عَلَیْكُمْ (المائدہ 114-115) جو خدا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی دعا پر ان کی قوم کو آسمانوں کا کھانا زمین پر بھیج سکتا ہے کیا وہ مسیح علیہ السلام کو آسمانوں پر رکھ کر آسمانی کھانا نہیں دے سکتا؟



ساتویں آیت

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنَّ مَثَ أَوْ قُبُلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْط (آل عمران 144)

”اور محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول۔ پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں۔“

قادیانی استدلال

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک نبی ہیں ان سے پہلے سب نبی فوت ہو گئے ہیں، اب کیا اگر یہ بھی فوت ہو جائیں یا مارے جائیں تو ان کی نبوت میں کوئی نقص لازم آئے گا جس کی وجہ سے تم دین سے پھر جاؤ؟ اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ اگر نبی کے لیے ہمیشہ زندہ رہنا ضروری ہے تو کوئی ایسا ہی پہلے نبیوں میں سے پیش کرو جو اب تک زندہ موجود ہے اور ظاہر ہے کہ اگر مسیح ابن مریم علیہ السلام زندہ ہے تو پھر یہ دلیل جو خدا تعالیٰ نے پیش کی صحیح نہیں ہوگی۔

(ازالہ اوہام صفحہ 606 خزائن جلد 3 صفحہ 427)

ناظرین قابل غور یہ ہے کہ ترجمہ میں یہ الفاظ ”ان سے پہلے سب نبی فوت ہو گئے ہیں۔“ قرآن مجید کے کن الفاظ کا ترجمہ ہیں۔ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ مگر مرزا صاحب براہ نوازش کسی لغت کی کتاب میں یہ تو دکھلائیں کہ خَلَتْ یا خَلَا بمعنی موت زبان عرب میں آیا بھی ہے؟ آپ اس جگہ صرف اپنے دعویٰ کی تائید میں ایسے مصروف ہوئے ہیں کہ خواہ لغت اور محاورہ آپ کے ترجمہ کی غلطی کو صاف ظاہر کر رہا ہو۔ مگر آپ کو اس کی ذرہ پرواہ نہیں اچھا صاحب اگر خَلَتْ کے معنی فوت ہو جانا ہی ہیں تو آپ اس آیت سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ (الفتح 23) کا کیا ترجمہ کرتے ہیں؟ کیا یہی کہ وہ سنت الہی ہے جو تم سے پہلے فوت ہو چکی ہے؟ اگر آپ ایسا ترجمہ کریں گے تو آیت ہذا کے ساتھ ملے ہوئے الفاظ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا آپ کے اس ترجمہ کی سخت تکذیب کریں گے۔

پس جب آیت مستدلہ میں مرزا صاحب کا ترجمہ ہی غلط ہے تو استدلال کی صحت کہاں رہی؟ مرزا صاحب کے ترجمہ میں اتنے الفاظ سینہ وا ہیں تو ”ان کی نبوت میں کوئی نقص لازم آئے گا“ حالانکہ نہ ان الفاظ کی کچھ ضرورت نہ تھی اور نہ کسی الفاظ قرآنی کا ترجمہ ہیں۔

ناظرین کو یہ بھی واضح ہو کہ آیت کا نزول جنگ احد میں ہوا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جنگ میں زخمی ہو کر کفکش کے اندر ایک غار میں گر گئے تھے۔ شیطان نے پکار دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مارے گئے۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کا تمام لشکر (بجز خواص اصحاب کے) بھاگ نکلا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سمجھایا ہے کہ تم کیا سمجھتے ہو۔ کہ احکام شریعت کی تعمیل صرف اس وقت تک کی جاتی ہے جب تک نبی اپنی امت میں بہ نفس نفیس موجود رہے؟ یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ ذرا خیال کرو کہ کس قدر نبی اور رسول ہو چکے ہیں۔ کیا وہ سب اپنی امت میں موجود ہیں ان کے متبعین نے اپنا دین محض اسی وجہ سے ترک کر دیا ہے؟ اور جب کسی نے بھی ایسا نہیں کیا تو کیا تم ایسا کرو گے؟ پہلے حکمت سے سمجھایا پھر تنبیہ کے لیے زجر آمیز کلمات فرمائے۔ خیال کرو اس میں وفات مسیح کی کوئی دلیل ہے؟

واضح ہو کہ خَلَتْ کا مصدر ”خَلَوْا“ ہے اور چند معنی میں مستعمل ہے۔ جدا ہونا یا تنہا ہونا چنانچہ اس آیت میں ہے۔

1.....وَإِذَا خَلَا بِغُضْهِمْ إِلَىٰ بَغْضِ (البقرہ 76) جب ایک دوسرے کے پاس سے تنہا ہوتے ہیں، یا ہوتے رہنا چنانچہ اس آیت میں ہے۔

2.....وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر 24) کوئی امت نہیں مگر اس میں ڈرانے والا ہوا ہے۔

3.....وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ (آل عمران 137) تم سے پہلے کئی دستور ہوتے رہے ہیں۔ چلے آنا۔ چنانچہ اس آیت میں ہے۔

4.....سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ (الفتح 23) یہ سنت الہی ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے۔

5.....إِذَا خَلَا إِلَىٰ شَاطِئِنِهِمُ (البقرہ 14)

6.....وَإِذَا خَلَا عَصَاكُمْ أَلَامُ مِنَ الْغَيْضِ (آل عمران 119)

7.....قَدْ خَلَتْ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِ (الاحقاف 17)

8.....تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ (البقرہ 141)

9.....فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ (الاعراف 38)

10..... قد خلت من قبلها امم (الرعد 30) پس قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ ”ہوتے رہے ہیں ان سے پہلے رسول۔“

یہ یاد رکھو کہ خَلَا اور خَلَتْ لغت میں زمانہ کی صفت کے لیے آتا ہے دیکھو قرون خالیہ مثلاً عرب بولتے ہیں۔ خَلَتْ يَاحْلُوْنَ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ (رمضان کی فلاں تاریخ گزر گئی) اور اہل زمانہ کے لیے مجازاً اور اس سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ خَلَتْ کا سیدھا اثر رسالت پر ہے نہ رسولوں کے وجود پر لہذا آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی بہت رسول رسالت کر چکے ہیں۔ تبلیغ احکام رسالت کر چکنا متضمن اس امر کا نہیں کہ سب کے سب مر بھی چکے ہیں۔ گوان میں سے اکثر مر بھی چکے ہوں۔ مثلاً (بلاشبہ) کوئی پرویز مشرف کو مخاطب کر کے کہے کہ آپ سے پہلے بھی جسٹس رفیق تارڑ حکومت کر چکے ہیں تو کیا اس سے لازم آتا ہے کہ جسٹس رفیق تارڑ جواب تک زندہ صحیح سالم حالت میں موجود ہیں۔ یہ سب مر بھی گئے۔

ناظرین بلاغت قرآنی سمجھنے کے لیے یہ غور کرنا چاہیے کہ خَلَتْ کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے مقتضائے مقام اور بظاہر تناسب کلام تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا قَدْ مَاتُوا أَوْ قُتِلُوا مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے جتنے رسول تھے یا وہ مر گئے یا قتل ہو گئے۔ پھر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قتل ہو جائیں یا مرجائیں (مگر ایسا نہیں فرمایا وَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ وجہ یہ ہے کہ مفرورین پر حجت بھی قائم ہو جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے رسولوں اور نبیوں کے زمان رسالت کے مقتضے ہونے کی خبر بھی دی جائے اور حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کی حیات پر دلیل بھی قائم رہی۔ اِنَّهَا النَّاسُ تَفَكَّرُوْا۔ اس تمام بیان سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے لشکر مسلمین پر جو دلیل قائم کی ہے۔ وہ صحیح و درست ہے مگر جو مطلب مرزا صاحب ان الفاظ میں ڈھونڈتے ہیں۔ اسے پاش پاش کرنے کے لیے عرب کا لغت اور قرآن کریم کا اسلوب شمشیر بکف کھڑے ہیں۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک۔

جواب..... 2

پوری دنیا کے صاحبِ دل کراپے مسلمہ تیرہ صدیوں کے مجددین کا ایک حوالہ دکھا سکتے ہیں کہ انھوں نے اس آیت سے یہی استدلال کیا ہو جو مرزا کا ہے قیامت کی صبح تک نہیں؟

کیا غلت کے معنی موت ہیں؟ اور سنو! اسی سورت میں ایک مقام پر ارشاد ہے کَذٰلِكَ ارْسَلْنَاكَ فِيْ اٰمَةِ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا اٰمَةٌ۔ (الرعد 30) اے ”رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح بھیجا ہم نے تم کو ایک امت میں۔ ہو چکی ہیں اس سے پیشتر امتیں“ کیا اس جگہ غلت کے معنی یہ ہیں کہ پہلی امتیں سب کی سب صفحہ زمین سے مٹ چکی تھیں؟ ہرگز نہیں۔ یہود و نصاریٰ وغیرہ موجود تھے۔ خود قرآن میں یا اہل الکتاب اہل انجیل اہل تورات کہہ کر ان کو یاد کیا گیا ہے الغرض غلت کے معنی موت لے کر وفات مسیح کو ثابت کرنا مقصود خداوندی و منشا محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے ایسا ہی الرسول سے تمام رسول مراد لینا بھی محکم ہے۔

ہاں۔ ہاں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سب کے سب فوت ہو چکے تھے تو مرزا صاحب نے (نور الحق حصہ اول صفحہ 50 خزائن جلد 3 صفحہ 68-69) پر جناب موسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر زندہ ہونا اور اس پر ایمان لانا ضروری و لازمی کیسے لکھا۔

”عیسیٰ صرف اور نبیوں کی طرح ایک نبی خدا کا ہے اور وہ اس نبی معصوم کی شریعت کا ایک خادم ہے جس پر تمام دودھ پلانے والی حرام کی گئی تھیں یہاں تک کہ اپنی ماں کی چھاتیوں تک پہنچایا گیا اور اس کا خدا کوہ سینا میں اس سے ہم کلام ہوا اور اس کو پیارا بنایا۔ یہ وہی موسیٰ مرد خدا ہے جس کی نسبت قرآن میں اشارہ ہے کہ وہ زندہ ہے اور ہم پر فرض ہو گیا کہ ہم اس بات پر ایمان لائیں کہ وہ زندہ آسمان میں موجود ہے ولم یمت و لیس من المیتین وہ مردوں میں سے نہیں۔ مگر یہ بات کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے سو ہم نے اس خیال کا باطل ہونا ثابت کر دیا ہم قرآن میں بغیر وفات عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ ذکر نہیں پاتے۔“

صاحبو! جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے انبیاء سے موسیٰ علیہ السلام کو علیحدہ کر دیا گیا ہے وہاں مہربانی کر کے مسیح کی مسند بھی بچھی ہوئی سمجھ لیجئے۔

اعتراض

اس جگہ موسیٰ علیہ السلام کی روحانی زندگی مراد ہے۔

جواب..... 3

یہ کہنا کہ یہ روحانی زندگی ہے بالکل غلط ہے اور مرزا صاحب کی تقریر کے بالکل خلاف ہے روحانی زندگی تو بعد وفات سب انبیاء کو حاصل ہے اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیا خصوصیت حاصل ہے۔ نیز اس کے بعد مرزا صاحب نے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ کہا تو یہ تفریق بتلا رہی ہے کہ مرزا صاحب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جسمانی زندگی سے زندہ سمجھتے تھے۔

آٹھویں دلیل

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ (الانبیاء: 34)

”اور نہیں دیا ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشہ کے لیے زندہ رہنا، پھر کیا اگر تو مر گیا تو وہ رہ جائیں گے۔“

قادیانی استدلال

”اس آیت کا مدعا یہ ہے کہ تمام لوگ ایک ہی سنت اللہ کے نیچے داخل ہیں اور کوئی موت سے نہیں بچا نہ آئندہ بچے گا اور لغت کی رو سے خلود مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہے کیونکہ تغیر موت اور زوال کی تمہید ہے۔ پس نفی خلود سے ثابت ہوا کہ زمانہ کی تاثیر سے ہر ایک شخص کی موت کی طرف حرکت ہے اور پیرانہ سالی کی طرف رجوع اور اس سے مسیح ابن مریم علیہ السلام کا بوجہ امتداد زمانہ اور شیخ فانی ہو جانے کے باعث فوت ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔“

(ازالہ ادہام صفحہ 607 خزائن جلد 3 صفحہ 427-428)

جواب 1

مرزا صاحب نے آٹھویں آیت یہ پیش کی ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ اور بہت صحیح لکھا ہے کہ آیت کا مدعا یہ ہے کہ تمام لوگ ایک ہی سنت اللہ کے نیچے داخل ہیں۔ نہ کوئی موت سے بچا ہے اور نہ آئندہ بچے گا۔ مگر ناظرین غور کریں کہ اس کو وفات مسیح سے کیا علاقہ ہے؟ اب رہی اس آیت سے مرزا صاحب کی یہ وجہ استدلال کہ خلود کے مفہوم میں داخل ہے۔ ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہنا اور نفی خلود سے ثابت ہے کہ ہر شخص کی حرکت موت کی طرف ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ابن مریم بوجہ امتداد زمانہ اور شیخ فانی ہو جانے کے فوت ہو گیا۔“ یہ بالکل مرزا صاحب کے مذہب کے خلاف ہے۔ امتداد زمانہ اور شیخ فانی ہو جانے کا نام وہ شخص لے سکتا ہے۔ جس کا یہ مذہب ہو کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر تو گئے تھے۔ مگر شیخ فانی ہو کر اور امتداد زمانہ سے ضعف ہرم وغیرہ میں آ کر پھر فوت ہو گئے۔ جب آپ کا مذہب ہی یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر نہیں گئے تو یہ آپ کے سینہ زار شاعرانہ الفاظ بھی آپ کی دلیل نہیں بن سکتے۔ بسم اللہ آپ مسیح علیہ السلام کا آسمان پر جانا تسلیم فرمائیے اور پھر یہ وجہ استدلال پیش کیجئے۔ وَإِذْ لَيْسَ فَلَیْسَ اب میں مرزا صاحب سے یہ بھی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی حد بطور کلیہ قاعدہ کے آپ کو معلوم ہے؟ کہ جب کوئی بنی آدم اس حد کو پہنچ جائے تو وہ شیخ فانی بھی ضرور ہی ہو جائے۔ شیخ فانی کے لیے حد اگر معلوم ہو تو براہ مہربانی بیان فرمائیں تاکہ درایت و روایت اس کی جانچ پڑتال کر لی جائے۔ ناظرین خوب یاد رکھیں کہ اس کا جواب مرزا صاحب کچھ نہیں دے سکتے اور اسی لیے نہ وہ اس آیت سے استدلال ہی کر سکتے ہیں اور نہ ان کی وجہ استدلال درست ہی ہو سکتی ہے۔

جواب 2

قارئین زمین و آسمان کے رہنے والوں پر اثرات جدا جدا مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ دونوں کے ماحول کے اثرات جدا جدا ہیں۔ زمین پر رہنے والوں کی نسبت آسمانوں پر رہنے والوں (ملائکہ) کی زندگی لمبی ہے۔ پس آسمان پر ہونے کے باعث مسیح علیہ السلام زمینی اثرات سے محفوظ ہونے کے باعث لمبی زندگی پائیں تو اس میں کوئی امر مانع نہیں۔

جواب 3

مسیح کے خلود کے تو مسلمان بھی قائل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرح مسیح علیہ السلام کے خلود کے مسلمان قائل ہوتے تب تو یہ آیت مانع ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یا بعد کے کسی بھی مخلوق کے خلود کے مسلمان قائل نہیں۔ اس آیت میں خلود کی نفی ہے وجود کی نفی نہیں۔



نویں آیت

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (البقرہ 141)
 ”وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے واسطے ہے جو انھوں نے کہا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کہا اور تم سے کچھ پوچھ نہیں ان کے کاموں کی۔“

قادیانی استدلال

”یعنی اس وقت سے پہلے جتنے پیغمبر ہوئے ہیں یہ ایک گروہ تھا جو فوت ہو گیا، ان کے اعمال ان کے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے اور ان کے کاموں میں تم نہیں پوچھے جاؤ گے۔“
 (ازالہ اوہام صفحہ 207 خزائن جلد 3 صفحہ 428)

جواب 1

نویں آیت وفات مسیح پر مرزا قادیانی نے یہ پیش کی ہے تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ اس آیت کا صرف ترجمہ ہی کر گئے ہیں اور وجہ استدلال وغیرہ کچھ تحریر نہیں کی۔
 ہاں ترجمہ میں یہ الفاظ ضرور لکھ دیے ہیں۔ ”یعنی اس وقت سے پہلے جتنے پیغمبر ہوئے ہیں۔ یہ ایک گروہ تھا جو فوت ہو گیا۔“
 ناظرین! آپ بخوبی اور بآسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ مرزا قادیانی کے یہ الفاظ ”اس وقت سے پہلے جتنے پیغمبر ہوئے ہیں۔“ کن الفاظ کا ترجمہ ہے۔ غالباً تِلْكَ کا ترجمہ ہے۔ یہ جو اسم اشارہ ہے۔ اب اگر تم اس کا مشابہت الیہ معلوم کرنا چاہتے ہو تو قرآن شریف کھول کر دیکھ لیجئے کہ کون سے نام اس سے پہلے آیت میں آچکے ہیں (اس سے پہلی آیت کی تخصیص ہم نے اس لیے کر دی ہے کہ تِلْكَ اشارہ قریب کے لیے ہے) ناظرین دیکھیں کہ اس سے پہلی آیت یہ ہے اَمْ تَقُولُونَ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَاَلْسَبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصْرٰى قُلْ ؕ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمْ اللّٰهُ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كُنْتُمْ شَهَادَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ. (البقرہ 140-141) تم کیا کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصاریٰ تھے کہہ دیجئے تم زیادہ جانتے ہو یا خدا۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو شہادت کو چھپاتا ہے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تمہارے عملوں سے بے خبر نہیں۔ یہ ایک امت تھی جو گزر چکی۔“ خَلَتْ کے لفظ پر بحث ساتویں آیت میں ہو چکی ہے۔ اعجاز قرآن ہے کہ آیت میں عیسیٰ کا نام نہیں۔

جواب 2

سیدنا مسیح علیہ السلام کے رفع کے لیے چونکہ تخصیص منقولی ثابت ہو چکی ہے اس لیے اب عموم کی آیت سے استدلال قادیانی دجل کا شاہکار ہے، وہ مسیح علیہ السلام کے نام کے ساتھ واضح صریح موت کا لفظ وہ بھی بصیغہ ماضی جب تک نہ دیکھائیں ان کا مدعا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔



دسویں آیت

وَأَوْصِنِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا ذُمْتُ حَيًّا وَبِرًّا بِالَّذِي. (مریم 31-32)
 ”اور تاکید کی مجھ کو نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں زندہ اور سلوک کرنے والا اپنی ماں سے۔“

قادیانی استدلال

”اب ظاہر ہے کہ ان تمام تکلیفات شرعیہ کا آسمان پر بجالانا محال ہے، اور جو شخص مسیح علیہ السلام کی نسبت یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ زندہ مع جسدہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا، اس کو اسی آیت موصوفہ بالا کے منشاء کے مطابق یہ بھی ماننا پڑے گا کہ تمام احکام شرعی جو انجیل اور توریت کی رو سے انسان پر واجب العمل ہوتے ہیں وہ حضرت مسیح علیہ السلام پر اب بھی واجب ہیں۔“ (ازالہ اوہام صفحہ 436 خزائن جلد 3 صفحہ 331)

جواب..... 1

کسی نے سچ کہا ہے کہ خوئے بدر ابہانہ ہائے بسیار۔ کسی بھوکے سے پوچھا گیا دو اور دو کتنے ہوتے ہیں۔ وہ جھٹ بولا چار روٹیاں۔ ٹھیک یہی مثال مرزائیوں کی ہے۔ کہاں صاف و صریح آیات قرآنیہ جن میں بالفاظ صریح حیات مسیح کا مذکور ہے اور کہاں مرزائیوں کی یہ یہودیانہ کھینچ تان۔

اے جناب! اگر یہ ضروری ہے کہ اس آیت کی رو سے مسیح تمام زندگی بھر زکوٰۃ وغیرہ دیتے رہیں اور ضروری اس کام کے لیے ان کی جیب روپوں سے بھری رہے تو جب یہ الفاظ مسیح نے کہے تھے یعنی پیدائش کے پہلے دن اس وقت بھی تو وہ زندہ تھے۔ فرمائیے ان کی جیب میں کتنے سو پونڈ موجود تھے اور کون کون شخص زکوٰۃ ان سے وصول کیا کرتے تھے نیز یہ بھی فرمائیے کہ وہ ان دنوں کتنی نمازیں روزانہ ادا کیا کرتے تھے اور گواہ کون ہے فاجوا یکم فہو جوابنا۔

ناظرین شروع میں کسی کام کا حکم ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ ہر وقت، دن رات سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے اس پر عمل کرتے رہیں بلکہ ہر نکتہ مکا نے وارد کے تحت ہر کام کا وقت اور اس کی حدود قائم ہیں۔ نماز بعد بلوغت فرض ہوتی ہے اور زکوٰۃ بعد مال۔ جب تک مسیح بچے تھے، نماز فرض نہ تھی۔ بالغ ہوئے حکم بجالائے جب مال ہوتا زکوٰۃ دیتے۔ اب آسمان پر مال دنیاوی ہے ہی نہیں۔ زکوٰۃ کیونکر دیں۔ پھر اور سنو! حدیث میں آیا ہے کہ نبیوں کا دین واحد ہے۔ بدیں لحاظ موسیٰ علیہ السلام پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ بتلائیے آسمانوں پر جب وہ زندہ ہیں تو زکوٰۃ کسے دیتے ہیں اور روپیہ ان کے پاس کس قدر ہے؟

جواب..... 2

مرزا صاحب کا یہ بیان سقم اور غلطیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس آیت سے وفات مسیح پر مرزا صاحب کی وجہ استدلال ازالہ میں یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے تاحیات خود صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا ادا کرنا فرائض میں شمار کیا ہے۔ اگر وہ زندہ ہیں تو ان کا زکوٰۃ دینا ثابت کرو۔ ورنہ وہ مردہ ہیں۔ اس تقریر میں متانت مثیلت اور وقار مہدویت کو بالائے نفاق رکھ کر مرزا صاحب نے شوخانہ استہزاء بھی کیا ہے اور دریافت کیا ہے کہ آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زکوٰۃ کہاں سے دیتے ہوں گے اور کون لیتا ہوگا؟

واضح ہو کہ کل نبیوں پر جیسا کہ زکوٰۃ کا لینا حرام ہے۔ ویسا ہی دنیا بھی حرام ہے۔ فقال لهم عمر رضی اللہ عنہ انشدکم باللہ الم تعلموا ان رسول اللہ قال ان کل مال النبی صدقة الا ما اطعمه اہله او کساہم (کنز العمال جلد 12 صفحہ 451 حدیث نمبر 35542)

”یعنی عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تمہیں اللہ کی قسم کیا تم نہیں جانتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نبی کا مال سب صدقہ ہوتا ہے مگر جس قدر اپنے اہل کو کھلائے پہنائے۔“ کیونکہ ان کا کل مال خدا کی راہ میں وقف ہوتا ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اَوْصَانِیْ کیوں کہا یہ بطور تعلیم ارکان شریعت کے ہے کیونکہ جب فرمایا اَتَنِیْ الْکِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا خَدَانِیْ مجھے کتاب دی اور نبی بنایا تو ساتھ ہی اپنی شریعت کے ارکان بھی ظاہر کر دیے۔

2..... زکوٰۃ سے مراد اس جگہ زکوٰۃ مال نہ ہو بلکہ زکوٰۃ نفس ہو۔ قرینہ اس پر روح القدس کا حضرت مریم کو کہنا ہے لَا هَبْ لَکِ غُلَامًا زَكِيًّا ظاہر ہے کہ اس جگہ زَكِيًّا کے معنی زکوٰۃ مال نکالنے والا نہیں بلکہ صاف زکوٰۃ و طہارت ہیں۔

بیضاوی میں ہے وَأَوْصَانِیْ وَاْمَرَنِیْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ الْمَالِ اِنْ هَلَكَتْهُ اَوْ تَطَهَّرَ النَّفْسُ عَنِ الرِّزَالِ. زکوٰۃ سے زکوٰۃ مال مراد ہے کہ جب صاحب نصاب ہوں ورنہ نفس کو زکوائل سے پاک صاف رکھنا بھی زکوٰۃ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے ”وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً“ (مریم 12-13)
 ”ہم نے اس کو لڑکپن ہی میں حکم، نرم دلی اور پاکیزگی عنایت کی۔“ یہاں لفظ زکوٰۃ خصوصیت سے بمعنی پاکیزگی ہے۔

جواب.....3

زکوٰۃ تو اہل نصاب پر فرض ہے۔ اگر مرزا صاحب حضرت مسیح علیہ السلام کا اس دنیا پر زکوٰۃ دینا ثابت کر دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ مسیح علیہ السلام کا آسمان پر زکوٰۃ دینا بھی ثابت کر دوں گا۔

جواب.....4

مرزا صاحب کی اس بیان میں دوسری غلطی یہ ہے کہ ان کو انجیلی طریق پر نماز پڑھنے کی وصیت کی گئی تھی۔ ”وہ عیسائیوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں۔“ اس غلطی کا منشاء یہ ہے کہ ان کو معنی نبوت معلوم نہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جن کی قرآن دانی اور اسرار فہمی کی توصیف مرزا صاحب نے ازالہ میں کی ہے کا مذہب یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ ظاہر اور باطن پر یکساں ہوتا ہے مگر آپ تو نبوت کو بھی ظاہر اور باطن کے لیے نہیں سمجھتے۔ ہمارے سید و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح پر تمام کافرانہ کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ اسی طرح جن و ملک کی طرف بھی۔ کوئی ذوی العقول تنفس ایسا نہیں۔ خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی۔ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور شرائع و مناجح کی پیروی و اطاعت فرض نہ ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بعد سابقہ شرائع و احکام پر چلنا حرام نہ ہو گیا ہو۔ پس جب حالت یہ ہے تو آپ کا یہ خیال کرنا کہ اب وہ انجیلی طریق پر نماز پڑھتے ہیں اور نزول کے بعد برخلاف وصیت مسلمانوں کی طرح پڑھیں گے۔ معنی رسالت کے نہ سمجھنے ہی پر محمول ہو سکتا ہے۔ مرزا صاحب..... دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ (ال عمران 80)

”جب خدا نے نبیوں سے اقرار لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے۔ پھر جب تمہاری طرف رسول موعود آئے جو تمہاری سچائی ظاہر کرے گا تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔“

اب سمجھ لو کہ مسلمانوں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نماز پڑھنا برخلاف وصیت نہیں بلکہ موافق ميثاق ازلی ہے۔ اس معنی کی طرف صحیح مسلم کی حدیث عن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں اشارہ و دلالت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ، عیسیٰ، ابراہیم علیہ السلام کا امام بن کر نماز پڑھائی۔

جواب.....5

تیسری غلطی اس بیان میں مرزا صاحب کی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز پڑھتے ہوں گے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پاس پڑے رہتے ہوں گے۔ مردہ جو ہوئے۔“ یہ غلطی بھی درجہ انبیاء سے عدم معرفت کی وجہ سے ناشی ہوئی ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ گو مرجانے کے بعد تکلیف احکام سے انسان سبکدوش ہو جاتا ہے۔ مگر انبیاء اللہ جن کے جسم میں عبادت الہی بمنزلہ روح کے ہے۔ جن کے دل میں محبت ربانی بجائے حرارت غریزی کے ہے۔ وہ مرجانے کے بعد بھی طاعات میں مشغول رہا کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 95 باب الاسراء کی حدیث عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) میں ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ اور مدینہ کے درمیان وادی اریق میں پہنچے۔ تو فرمایا میں نے اس وادی میں موسیٰ علیہ السلام کو کانوں میں انگلیاں دیے۔ لیک لیک پکارتے۔ گزرتے دیکھا ہے جب ہر شے میں پہنچے تو فرمایا میں نے یونس علیہ السلام کو جبہ صوف (لباس احرام) پہنے۔ اونٹنی پر سوار اس وادی سے گزرتے دیکھا ہے۔ (صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 96 باب الاسراء) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام کا نماز پڑھنا ثابت ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پڑے ہی نہیں رہتے بلکہ وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح نماز پڑھا کرتے ہیں۔ مگر سیدنا یحییٰ علیہ السلام پر موت کا عمل واقع ہو چکا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر موت کا عمل نزول کے بعد ہوگا۔

ناظرین بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ آیت بھی مرزا صاحب کے دعویٰ کے لیے کچھ مفید نہیں اور آیت کو وفات مسیح سے ذرا تعلق نہیں۔ نیز دعوے اثبات وفات مسیح کے علاوہ دیگر زوائد جو مرزا صاحب نے لکھے تھے ان کا ایک حرف بھی صحیح نہیں



گیارہویں آیت

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا (مریم 33)

”اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن اٹھ کھڑا ہوں زندہ ہو کر۔“

قادیانی استدلال

”اس آیت میں واقعاتِ عظیمہ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود سے متعلق تھے صرف تین بیان کیے گئے ہیں حالانکہ اگر رفع اور نزول واقعاتِ صحیحہ میں سے ہیں تو ان کا بیان بھی ہونا چاہیے تھا، کیا نعوذ باللہ رفع اور نزول حضرت مسیح علیہ السلام کا مورد اور محل سلام الہی نہیں ہونا چاہیے تھا؟ سو اس جگہ پر خدا تعالیٰ کا اس رفع اور نزول کو ترک کرنا جو مسیح ابن مریم علیہ السلام کی نسبت مسلمانوں کے دلوں میں بسا ہوا ہے صاف اس بات پر دلیل ہے کہ وہ خیال ہیچ اور خلاف واقعہ ہے بلکہ وہ دفعِ یومِ اموت میں داخل ہے اور نزول سراسر باطل ہے۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 608 خزائن جلد 3 صفحہ 428)

تنقیح اشکال

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ اس آیت میں واقعاتِ عظیمہ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود سے متعلق تھے صرف تین بیان کیے گئے ہیں حالانکہ اگر رفع اور نزول واقعاتِ صحیحہ میں سے ہیں تو ان کا بیان بھی ضروری تھا کیا نعوذ باللہ رفع اور نزول حضرت مسیح کا مورد اور محل سلام الہی کا نہیں ہونا چاہیے تھا۔“

جواب..... 1

مرزا صاحب کے ان فقرات کو بار بار حیرت اور تعجب سے دیکھئے کہ وہ اسرارِ دانی اور قرآنِ فہمی کہاں ہے؟ کیا کسی شے کا کسی جگہ مذکور نہ ہونا اس کے عدم وجود کی بھی دلیل ہو سکتی ہے؟ صحیحین بلکہ صحاح ستہ میں بیسیوں ایسی احادیث ملیں گی کہ سائل نے آ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کا سوال کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان ارکان میں کبھی کلمہ شہادت، کبھی زکوٰۃ، کبھی حج کو بیان نہیں فرمایا تو کیا مرزا صاحب مجرد ان احادیث پر اکتفا کر کے ان ارکانِ اسلام کے رکن ہونے سے انکار کر جائیں گے؟ اگر نہیں تو یہاں بھی وہی عمل کریں۔

جواب..... 2

مرزا صاحب کو یاد کرنا چاہیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ کلام اس وقت کا تھا جب مریم صدیقہ ان کو جن کر گود میں لے کر قوم میں آئی تو کیا ضرور ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اسی وقت اپنی زندگی کے مفصلہ نہ کل واقعاتِ عظیمہ سے واقف بھی کیے گئے ہوں بلکہ قرآن کریم اس امر کا شاہدِ صادق ہے کہ رَفَعُ کی خبر حضرت کو حالتِ نبوت میں دی گئی تھی۔ يَا عِيسَى ابْنِي مَتَوْفِيكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ ”مرزا صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ مسیح علیہ السلام کو جب یہود نے گھیرا تو اس وقت یہ رافعہ کا تری۔“

(سراج منیر صفحہ 41 خزائن جلد 12 صفحہ 43)

والسلام علی یومِ ولدت و یومِ اموت۔ عیسیٰ علیہ السلام والدہ مریم کی گود میں تھے اس وقت کی کلام ہے۔ پس رفع کا وعدہ بعد میں ہوا۔ اس لیے اس وقت اس کا ذکر کیسے فرماتے؟

جواب..... 3

حقیقت یہ ہے کہ سَلَامٌ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ اسی قبیل کا جملہ ہے۔ جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اولہ و اخرہ یا بِسْمِ اللّٰہِ اولہ و اخرہ جو ابتداء سے لے کر آخر تک کی تمام حالتوں پر شامل ہے اب اگر ان فقرات پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا تو سَلَامٌ عَلَیَّ پر کیوں ہے؟ ہمارے نزدیک رفع اور نزول حضرت مسیح علیہ السلام دونوں مورد اور محل سلام الہی کے ہیں اور اسی لیے دو سلامتیوں کے اندر اور وسط میں واقع ہوئے ہیں۔ ہاں مرزا صاحب جو ان الفاظ کا درمیانی واقعات پر اثر انداز نہ ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ ان کو اس امر کا ضرور جواب دینا چاہیے کہ جب بقول ان کے مسیح علیہ السلام پر سو لی لکائے گئے۔ ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھوکی گئیں اور ان اذیتوں اور تکلیفوں کے بعد دروازہ مرگ پر پہنچ کر پھر وہ بیچ رہے تو کیا ان کی یہ جان بری مورد اور محل سلام الہی کا نہ تھی؟ کیا مسیح علیہ السلام کا صحیح و سلامت رہنا ربانی

سلامتی کے بغیر تھا؟ اگر ایسے دشمنوں کے زغہ میں سے ایسے بر صلیب کشیدہ کے سلامت رہنے کو تم سلام الہی تسلیم نہیں کرتے تو اور کسے کرو گے؟ لیکن اگر تسلیم کرتے ہو تو بتاؤ کہ آیت میں ایسی نہایت ہی حیرت بخش جان بری اور ایسی آفت کے بعد سلامتی کا ذکر کیوں نہیں؟

جواب.....4

واقعہ اگر تمام اہم واقعات کا تذکرہ اسی آیت میں منحصر قرار دے کر صاحب استدلال (بروفات مسیح) ہو رہا ہے تو پھر ان واقعات بے مثل کا ذکر ہونا یعنی واقعہ رفع و نزول سے بھی اہم تھا کیونکہ رفع الی السماء کی مثال تو بعض سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج جسمانی اور نیز آمد و رفت ملائکہ معبود تھی مگر تمہاری مزعومہ صلیب و ہجرت الی دیار الغریبہ بلا اظہار عظمت و شان نبی کی مثال تاریخ رسالت میں موجود نہیں لہذا ان واقعات کا ذکر ہونا لازم تھا تو جب تمہارے واقعات غیر معبودہ کا تذکرہ تمہارے ہاں باعث اشکال نہیں تو ہمارے مسلمہ اور معبودہ واقعات (رفع و نزول) کا عدم ذکر کیسے محل استعجاب ہے؟ حالانکہ ہمارے اعتقاد کی جملہ تفصیلات بے شمار نصوص وحدیث اور اجماع امت کے تحت مذکور بھی ہیں بلکہ خود نص میں اس آیت سے ذرا قبل بھی معبود ہے کما قال حاکبنا عن المسیح. وجعلنی مبارکاً اینما کنت. گویا جس امر کو تم طلب کر رہے ہو کہ یہ بھی ہونا چاہیے تھا وہ تو ان امور ثلاثہ سے پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔ فللہ الحمد.

بارہویں آیت

وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُمْرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْطَانُ (الحج 5)

”اور کوئی تم میں سے قبضہ کر لیا جاتا ہے اور کوئی تم میں سے پھر چلایا جاتا ہے عمر تک۔ تاکہ سمجھنے کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے۔“

قادیانی استدلال

”اس آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ سنت اللہ وہی طرح سے تم پر جاری ہے بعض تم میں سے عمر طبعی سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں اور بعض عمر طبعی کو پہنچتے ہیں یہاں تک کہ ارذل عمر کی طرف رد کیے جاتے ہیں اور اس حد تک نوبت پہنچتی ہے کہ بعد علم کے نادان محض ہو جاتے ہیں۔ یہ آیت بھی مسیح ابن مریم علیہ السلام کی موت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اگر زیادہ عمر پائے تو دن بدن ارذل عمر کی طرف حرکت کرتا ہے یہاں تک کہ بچے کی طرح نادان محض ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔“ (ازالہ اوہام صفحہ 608-609 خزائن جلد 3 صفحہ 429)

جواب 1

ناظرین کو واضح ہو کہ یہ آیت مرزا صاحب کی تب دلیل ہے۔ جب وہ مسیح علیہ السلام کا زیادہ عمر پانا تسلیم کر لیں۔ مگر اس کے ساتھ رَفَعَ إِلَى السَّمَاءِ بھی ملا ہوا ہے۔ لہذا یہ بھی مرزا صاحب کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ مرزا صاحب کو لازم ہے کہ وہ ایک حد قرار دیں کہ جب عمر کے فلاں سال تک کوئی انسان پہنچے گا تو وہ ضرور ہی ارذل عمر میں داخل ہو جائے گا۔ قرآن کریم تو اس امر پر شاہدِ ناقص ہے کہ:

الف حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک دعوت کی۔ نبوت حاصل ہونے سے پہلے کی عمر اور دعوت کے بعد طوفان آنے اور بعد از طوفان آپ کے زندہ رہنے کی عمران ساڑھے نو صدیوں کے علاوہ ہے۔ پھر رب کریم کا یہ کلام پاک ہم کو یہ بھی بتاتا ہے کہ سینکڑوں سالوں کے وہ تغیرات و انقلابات (جن سے قومیں مفقود ہو جاتی ہیں۔ خرابہ آباد اور آباد خرابہ بن جاتے ہیں۔ سلطنتیں بدل جاتی ہیں۔ بولیاں تبدیل ہو جاتی ہیں) بعض جسموں پر اسی طبقہ ارض کی موجودگی کی حالت میں اتنا اثر بھی نہیں ڈال سکتے کہ وہ اتنا بھی معلوم کر لیں کہ اس طبقہ ارض پر اور اس حصہ ملک میں کبھی کوئی تغیر آیا بھی تھا؟ اور کسی قسم کا انقلاب ہوا بھی تھا یا نہیں؟ وہ سینکڑوں برسوں کا مہد زمانہ اور دراز عرصہ ان کی نگاہ میں ایسا قلیل نظر آیا کرتا ہے کہ یہ خاصان خدا سے یَوْمًا أَوْ بَعْضَ یَوْمٍ سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ کیا مرزا صاحب کے نزدیک یہ بیانات ہدایت اور نور نہیں ہیں؟ کیا انسان ضعیف البیان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ تحکم کی راہ سے یہ قرار دے کہ جو کچھ آج کل ہو رہا ہے۔ رب کریم نے نہ کبھی اس سے تجاؤ فرمایا ہے اور نہ فرمائے گا۔ کیا:

ب..... ان کو لقمان ذوالشور کا حال معلوم نہیں۔ جس کی عمر دو ہزار سال کی تھی کیا:

ج..... ان کو عمرو معد کیرب کی تاریخ پر نظر ہے۔ جو دو سو پچاس سال کی عمر میں ایرانیوں کے بیسیوں جنگ آزما۔ عربہ جو فیلوں کو تلواریں سے کاٹ کر پھر شہید ہوا تھا؟ کیا مرزا صاحب کا حق ہے کہ وہ ارزل عمر کی بھی حد سنیں کا تعین کر کے اپنی طرف سے خود ہی مقرر کر دیں۔ اَتَّقُوا اللَّهَ اِنَّهَا النَّاسُ۔

2..... زمین پر مروجہ زمانہ کے اثرات جدا ہوتے۔ آسمانوں پر ان کو قیاس کرنا حماقت ہے۔ انسانوں سے ملائکہ اور ابلیس کی زندگی کا موازنہ کرنا حماقت ہے تو زمین والوں اور آسمان والوں کی زندگی کا موازنہ کرنا بھی درست نہیں۔ اس لیے بھی استدلال باطل ہے۔

3..... دوسرے نقطہ انسان کی یہ صفت ہے کہ وہ عمر کی درازی سے ضعیف ہو جاتا ہے یعنی مادی ہونے کے باعث زمین کی تاثیرات سے متاثر ہو کر ضعیف ہو جاتا ہے مگر آسمان کی تاثیرات ایسی ہیں کہ اجرام فلکی کا بدل ماحول ساتھ ہی ساتھ ہوتا جاتا ہے اور وہ ضعیف نہیں ہوتے پس مسیح علیہ السلام بھی تاثیرات فلکی سے ارذل عمر کے ضعف سے بچے ہوئے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ فرشتے، ستارے، آفتاب، مہتاب وغیرہ ایک ہی حالت پر رہتے ہیں لہذا حضرت مسیح علیہ السلام بھی آسمان پر درازی عمر سے نکلے نہیں ہو سکتے اور نہ زمین کی آب و ہوا کی طرح آسمان کی آب و ہوا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو ارذل عمر ملے اور چونکہ مسیح علیہ السلام کی پیدائش نفخ روح سے تھی اور روح درازی عمر سے ضعیف اور ارذل نہیں ہوتی اس لیے مسیح علیہ السلام کے واسطے ارذل عمر کا ضعف لازم بھی نہیں کیونکہ وہ روح جسم تھے۔ صرف وہ جسم ضعیف وارذل ہوتا ہے جو نقطہ

4..... حدیث شریف میں ہے کہ رَأَيْتُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ بْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَابًا الْخ

(مسند احمد جلد 1 صفحہ 374 کنز العمال جلد 5 صفحہ 322 جلد 6 صفحہ 307 والخصائص جلد 2 صفحہ 8)

یعنی حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے عیسیٰ بن مریم رضی اللہ عنہا کو جوان دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ مسیح علیہ السلام جوان ہیں مگر مرزا کہتا ہے کہ بوڑھے ہو گئے۔ صاحب بتائیں۔ ان دو اقوال سے کن کا قول سچا؟

5..... جب خدا تعالیٰ قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں فرماتے ہیں کہ وہ نہ صلیب دیے گئے اور نہ قتل کیے گئے بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا تو کیا وہ قادر مطلق ان کو انسانی ارذل عمر اور ضعف پیری سے ایسا ہی مستغنی نہیں کر سکتا جیسا کہ ان کو ان کی ولادت میں قانون فطرۃ عامہ سے مستثنیٰ کر دیا تھا کہ بغیر نطفہ مرد کے پیدا کیا۔ دیکھو اصحاب کہف کا قصہ کہ 309 برس سوتے رہے نہ بھوک لگی نہ پیاس جب خود بیدار ہوئے تب بھوک محسوس ہوئی اور ان کے جسم میں کسی طرح کا تغیر بھی پیدا نہ ہوا تھا اور حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ پڑھو کہ سو برس کے بعد زندہ کیے گئے بیضاوی شریف میں لکھا ہے کہ جب اپنے گھر لوٹ کر آئے تو آپ جوان تھے اور ان کی اولاد بوڑھے تھے۔ ارجع الی منزلہ کان شابًا واولادہ شیوخًا

(بیضاوی جلد 1 طبع مجتہائی صفحہ 168)

اور متدرک جلد 2 صفحہ 282 میں حدیث علی رضی اللہ عنہ میں ہے کہ سب سے پہلے ان کی آنکھیں پیدا کی گئیں وہ اپنی ہڈیوں کو گوشت پہناتے اور پیدا ہوتے ہوئے دیکھتے تھے اور اسی قصہ میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَسْنَنْهُ (البقرہ 259) ”یعنی دیکھ اپنے کھانے اور پانی کو کہ وہ سو برس کی مدت تک سڑے نہیں۔ افسوس جب اسی جگہ یہ قدرت کے کرشمے دکھلائے گئے اور ہم کو قرآن میں سنائے گئے تو مومن قرآن کے دل میں تو یہ شبہ ہی نہیں آ سکتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتنی عمر پا کر بالکل نکلے ہو جائیں گے وہ آ کر کیا خدمت کریں گے الٹا ہم سے خدمت لیں گے۔ معاذ اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی درازی عمر سے کیوں گھبراتے ہو عوج بن عنق کی عمر 3 ہزار کے قریب تھی۔

(مطلع العلوم صفحہ 308)

6..... ایک مناظرہ میں صاحب کو ایک مسلمان مناظر نے جواب دیا کہ مسیح کے بوڑھے ہونے کی بات وہ کرے جس نے مسیح علیہ السلام کو رشتہ دینا ہو۔ اس پر مرزا کی بہت سٹ پٹائی تو مولوی صاحب نے فوراً کہا کہ رشتہ کے چکر میں نہ پڑنا۔ ورنہ نیتزوج ویولد شادی کریں گے۔ اولاد ہوگی۔ اس میں بھی پھنس جاؤ گے۔ اس پر صاحبوں کے اوسان خطاء ہو گئے!



تیرھویں آیت

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ. (البقرہ 36)

”اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانہ ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک۔“

قادیانی استدلال

”یعنی تم اپنے خاکی جسم کے ساتھ زمین پر ہی رہو گے یہاں تک کہ اپنے تمتع کے دن پورے کر کے مر جاؤ گے۔ یہ آیت جسم خاکی کو آسمان پر جانے سے روکتی ہے کیونکہ لَكُمْ جو اس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے اس بات پر بصراحت دلالت کر رہا ہے کہ جسم خاکی آسمان پر نہیں جاسکتا بلکہ زمین سے ہی نکلا اور زمین میں ہی رہے گا اور زمین میں ہی داخل ہوگا۔“ (ازالہ اوہام صفحہ 609 خزائن جلد 3 صفحہ 429)

جواب..... 1

خاص دلائل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ثابت ہو چکی ہے اور علم اصول میں مقرر و مسلم ہے کہ خاص دلیل عام پر مقدم ہوتی ہے اور ان دونوں کے مقابلے میں دلیل خاص کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اس کے نظائر قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں مثلاً عام انسانوں کی پیدائش کی نسبت فرمایا اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ. (الدھر 2)

”یعنی انسانوں کو طے ہوئے نطفے سے پیدا کیا“ اور اس کے برخلاف حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت خاص دلائل سے معلوم ہے کہ ان کی پیدائش بایں طور نہیں ہوئی پس ان کے متعلق دلیل خاص کا اعتبار کیا گیا ہے اور دلیل عام کو ان کی نسبت چھوڑ دیا گیا ہے۔

جواب..... 2

فرشتوں کی جائے قرار اصلی اور طبعی طور سے آسمان ہیں مگر وہ عارضی طور پر کچھ مدت کے لیے زمین پر بھی رہتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام عارضی طور پر اب آسمانوں پر ہیں۔



جواب..... 3

ناظرین دیکھیں۔ ترجمہ میں جسم خاکی اور ”مر جاؤ گے“ کن الفاظ کا ترجمہ ہے۔ مرزا صاحب لکم کو مفید تخصیص جانتے ہیں اور قرآن مجید کا سیاق کلام شاہد ہے کہ آیت کے مخاطب ابلیس و آدم و حوا ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَازْلِهْمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَاخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (البقرہ 36)

”پس شیطان نے آدم و حوا دونوں کو پھسلا دیا اور بہشت سے جہاں وہ رہتے تھے۔ ان دونوں کو نکال دیا اور ہم نے کہا تم اترو۔ بعض تمہارے بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا اور فائدہ ہے ایک وقت تک۔“

اَزْلِهْمَا میں تثنیہ ہے اور ذکر شیطان کے بعد ضمائر جمع لَكُمْ کو جو ضمیر خطاب ہے۔ جب مفید تخصیص مرزا صاحب تسلیم کر چکے تو پھر ان کا مخاطبین کے سوا اوروں سے مراد لینا ان کی تسلیم کے خلاف ہے۔

جواب..... 4

بالفرض اگر آیت کے یہ معنی ہیں کہ مخاطبین زمین سے اٹھ کر آسمان پر نہ جاسکیں تو یہ کہاں سے مرزا صاحب نے نکال لیا کہ جو لوگ خطاب کے وقت ہنوز کتم عدم میں مستور تھے۔ وہ بھی اسی حکم میں شامل و داخل ہیں۔ اس کی دلیل انھوں نے کچھ نہیں دی بلکہ لَكُمْ مفید تخصیص مان کر اپنے دعویٰ کو ضعف پہنچایا۔

جواب.....5

اگر بلا کسی دلیل کے مان لیا جائے کہ لَحْمٌ میں ابلیس اور آدم کے سوا ان کے ذریعے بھی شامل ہیں۔ تب بھی آیت بالا مفید معنی و مقصود مرزا صاحب نہیں ہو سکتی کیونکہ جب ثابت ہو چکا کہ لَحْمٌ میں ابلیس و آدم و حوا کی طرف خطاب ہے تو قرآن مجید کے بیسیوں مقامات سے یہ ثابت اور واضح ہے کہ شیاطین آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں اور ملائکہ سے قریب ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ شہاب ثاقب ان کے پیچھے لگ کر ان کو خاک کر دیتا ہے۔ بقول مرزا صاحب آیت کا اثر مخاطبین پر یہ ہونا چاہیے تھا کہ یہ سب زمین سے اونچے اٹھ نہ سکیں۔ فضا میں جانہ سکیں۔ مگر شیاطین کا چڑھ جانا دیگر آیات سے معلوم ہو گیا اور آیت مسئلہ ان کے لیے مانع نہ ہوئی۔ اب مرزا صاحب فرمائیں کہ یہ آیت انبیاء خدا کے لیے آسمان پر جانے سے کیوں مانع ہے؟

جواب.....6

مستقر کا ترجمہ ٹھیک ٹھیک ہیڈ کو آرٹر ہے۔ جس کو صدر مقام بھی بولتے ہیں۔ عربی زبان کی تاریخوں میں اسی لیے تحت گاہ کو مستقر الخلافہ لکھا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص کا اپنے ہیڈ کو آرٹر میں موجود ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ دوسری جگہ جا نہیں سکتا۔ علیٰ ہذا اس کا ہیڈ کو آرٹر سے علیحدہ ہونا بھی اس امر کا ثبوت نہیں کہ اس کو اپنے صدر مقام سے اب کوئی مناسبت نہیں رہی۔ سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر تھے۔ جو شب معراج کو بالائے سدرۃ المنتہی تشریف لے گئے تھے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ آیت مانع نہ ہوئی تو حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے بھی نہیں ہو سکتی۔ معراج جسمانی کا ثبوت اس مضمون میں آگے آگے گا۔

جواب.....7

مرزا صاحب نے الٰہی حِجْن کا ترجمہ یہاں تک کر مر جاؤ گے۔ کیا ہے مگر وہ کسی لغت کی کتاب سے حِجْن کے معنی موت ثابت نہ کر سکیں گے۔ حِجْن کے معنی وقت کے ہیں اور اسی لیے الٰہی حِجْن کا ترجمہ ایک وقت تک ہے۔ ہر شخص کے لیے استقرار فی الارض کا ایک معین عرصہ رب کریم نے مقرر کر رکھا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک وقت تک زمین پر رہے اور جب مُتَوَفِّکَ وَرَافِعُکَ الٰہی کا وعدہ پورا ہونے کو آیا۔ تو وہ آسمان پر تشریف لے گئے۔ ظاہر ہے کہ الٰہی حِجْن کے یہ معنی ہیں کہ اگر ایک وقت زمین پر رہے تو دوسرے وقت زمین پر سے اٹھ کر چلا بھی جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی جسم کا بھی بوجہ جسم ہونے کے آسمان پر جانا محال نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ رب کریم اس جسم کو آسمان پر لے جانا چاہے یا نہ چاہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے آسمان پر لے جانے کا اظہار اس نے خود فرمایا اور خود ہی اپنے منشا کو پورا فرمایا۔

بالفرض مرزا صاحب نے زور لگا کر حِجْن بمعنی موت ثابت بھی کر دیا تب اور بھی زیادہ ان کے معنی قابل اعتراض ہو جائیں گے۔ یعنی اس وقت ترجمہ آیت یہ ہوگا اور تمھارے لیے زمین میں استقرار اور فائدہ (اگر یہ جواب ہو کہ موت کے بعد جسم تو زمین میں ہی رہتے ہیں۔ مگر ان کو زمین سے کچھ فائدہ نہیں ملتا تو اس کے رد میں آیت ثم اقرہ اور آیت اَلَمْ یَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاۡئًا حَیۡۤاءَ و مَوَاتًا پر نظر کرو) موت تک ہے۔ جس سے یہ نکلا کہ موت کے بعد اموات کی لاشیں زمین سے اٹھائی جاتی ہیں۔ قبروں میں نہیں دبائی جاتی بلکہ وہ فضا میں چلی جاتی ہیں۔ اس معنی کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ اس وقت آپ کو حِجْن کا ترجمہ مجبوراً وقت کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ و شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ غرض بہر صورت آپ کے استدلال کا ہوا اور کمزور اور غلط ہونا ظاہر ہو گیا اور کھل گیا کہ گو آپ نے آیت کا ترجمہ بھی غلط کیا اور اپنی طرف سے الفاظ بھی زیادہ کیے مگر باہمہ مساعی پھر بھی مرزا صاحب حصول مرام میں ناکامیاب ہی رہے۔

جواب.....8

ہم اس پاگل مغبوط الحواس جس سے مخاطب ہیں اس سے پوچھئے کیا ایک مستقر میں رہتے ہوئے عارضی طور پر کوئی دوسری جگہ نہیں جاسکتا کیا ملائکہ کا مستقر آسمانی ہونا ان کے نزول الٰہی الارض سے مانع ہے۔ کیا آج تمام انسانوں مع مرزائی ٹولے کا مستقر زمین ہونا ان کے خلائی پرواز کر کے اپنے جہنم بھومی (انگلینڈ جرمنی) پہنچنا غیر معقول اور محال ہے۔ کیا امریکی اور روس چاند گاڑیوں کا زمینی مخلوق کو لے کر دور ارض سے نکلنا محال تھا؟ کیا یہ واقع نہیں ہو چکا؟ اب تو مخلوق خدا امرنخ، زہل اور اس سے بھی اوپر پرواز کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں بلکہ ارض قمر میں خلائی اسٹیشن اور بستیاں تیار کر کے مستقر انسانی ارض کو ترک کرنے کا اعلان کر کے تاحیات کی قبر پر تعزیت

کے ڈونگرے برسا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان دو جزء سے مرکب ہے بدن اور دونوں کا مزاج اور تقاضے اور تاثیرات الگ الگ ہیں۔ بدن تو ثقل ارض میں جکڑا ہوا ہے۔ مگر روح ثقل جسمانی کی گرفت میں ہے تو ظاہر ہے کہ مزاحمت و تقابل میں ہر دو فریقین کا غلبہ ممکن ہوتا ہے لہذا جیسے عموماً ثقل ارضی غالب رہتا ہے تو کبھی کشش سمائی کا غلبہ بھی ممکن و محتمل تسلیم کرنا پڑے گا یہ کوئی بعید از عقل بات نہیں لہذا جب رحمت کا سنا تھلی اللہ علیہ وسلم کی کامل ترین روحانیت کے تحت اسراء کا واقعہ عین ممکن اور واقع ہو چکا ہے تو بسلسلہ مسیح علیہ السلام بضمن روحانیت وہ کشش سمائی کے دائرہ میں کیوں نہیں جاسکتے؟ بالخصوص جبکہ ان کی روحانیت ابتدا سے ہی غالب رکھی گئی ہے۔

جواب.....9

کلمہ طیبہ ”محمد رسول اللہ“ اس کا ترجمہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ تو کیا حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں؟ پس جس طرح محمد رسول اللہ کہنے سے دیگر انبیاء کی رسالت کی نفی نہیں ہوتی۔ اسی طرح ولکم فی الارض مستقر کہنے سے فی السماء مستقر کی نفی نہیں ہوتی۔

جواب.....10

ولکم فی الارض کے مخاطب تمام بنی آدم ہیں۔ تب بھی مسیح علیہ السلام کا مستقر آسمان نہیں بلکہ عارضی قیام ہے۔

جواب.....11

ما من عام الا وقد خص عنه البعض کے تحت مستقر فی الارض کی بجائے مستقر فی السماء للمسیح ہو گیا تو بھی سو فیصد صحیح ہوا۔



چودھویں آیت

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ (یس: 68)

”اور جس کو ہم بوڑھا کریں، اوندھا کریں اس کی پیدائش میں۔“

قادیانی استدلال

تشریح۔ ”یعنی انسانیت کی طاقتیں اور قوتیں اس سے دور ہو جاتی ہیں، حواس میں اس کے فرق آ جاتا ہے، عقل اس کی زائل ہو جاتی ہے۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 610 خزائن جلد 3 صفحہ 429)

(اور یہ وہ کیفیت ہے جو دنیا میں بڑھاپے کی حالت میں عام مشاہدہ میں آتی ہے)

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ ”اگر مسیح ابن مریم کی نسبت فرض کیا جائے کہ اب تک جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک مدت دراز سے ان کی انسانیت کے قویٰ میں بھی فرق آ گیا ہوگا اور یہ حالت خود موت کو چاہتی ہے۔“ (ازالہ صفحہ 610 خزائن جلد 3 صفحہ 429)

جواب..... 1

مرزا صاحب کے اس وجہ استدلال کا جواب آٹھویں اور بارہویں آیت کے تحت ہو گیا ہے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں بار بار یہی عرض ہے کہ مرزا صاحب بطور کلیہ قاعدہ کے عمر کے وہ مقدار قرار دیں۔ جس کو ازل عمر کہہ سکیں اور جس پر تنکیس فی الخلق صحیح ثابت ہو سکے۔ ہم توریت وغیرہ کتابوں میں لکھا دیکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام 930 برس، حضرت شیث علیہ السلام کی 912، حضرت نوح علیہ السلام 1000، حضرت ادریس علیہ السلام 365، حضرت موسیٰ علیہ السلام 120، حضرت ابراہیم علیہ السلام 175 سال کی عمر میں تھیں اور باہمہ ان کے انسانیت کے قویٰ میں کچھ فرق نہ آیا تھا۔ اصحاب کہف کا قصہ پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض انسانی جسموں کو صدیوں کے زمانہ کا اثر محض اتنا ہوتا ہے۔ جتنا ہم لوگوں پر 6 گھنٹے یا 12 گھنٹے یا 24 گھنٹے یا 48 گھنٹے گزر جانے سے، اگر ناظرین اور مرزا صاحب کے نزدیک ایک 33 سال کا جوان شخص ایسا پیر ہر م اور شیخ فانی ہو سکتا ہے کہ اس کی قوت جسمانی اور قویٰ بشری بالکل ہی اسے جواب دے جائیں تو حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت بھی مرزا صاحب کو ایسا خیال باندھ لینے کا حق ہے لیکن اگر یہ ایک قابل تمسخر بات سمجھی جائے کہ کوئی نوجوان شخص معمولی قاعدہ انحطاط بدنی کے لحاظ سے 48 گھنٹہ میں شیخ فانی ہو سکے تو یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیر ضعیف ہو جانا بھی غلط ہے۔

حوالہ

حکیم نور الدین جو فصل الخطاب میں مان چکے ہیں کہ الہامی زبان میں ایک یوم ایک سال کو کہتے ہیں۔ وہ اس بیان سے زیادہ تر فائدہ حاصل کر سکتے ہیں کہ وحی ربانی میں 309 برس کو ایک یوم یا ایک یوم کا حصہ کہا گیا ہے۔ ان کو اربعہ لگالینا چاہیے کہ جب الہامی زبان میں 309 برس برابر ہیں ایک دن کے۔ تو دو ہزار برس کتنے دن کے برابر ہوتے ہیں۔ یہ سوال حل کرنے سے پہلے یہ بھی غور فرمالینا چاہیے کہ (اصحاب کہف) 309 برس کا بعض یوم کے برابر ہونا تو اسی طبقہ ارض پر ثابت ہے۔ مملکت آسمانی کا حساب اس سے نرالا ہے۔ رب کریم قرآن مجید میں فرماتا ہے إِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ (الحج 47) جس کو تم ہزار سال شمار کرتے ہو۔ وہ پروردگار کے ہاں ایک یوم ہے۔ اس اعتبار سے مسیح علیہ السلام کو آسمان پر گئے ہوئے چند دن ہوتے ہیں۔

واضح ہو اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ کو مرزا صاحب نے (ازالہ صفحہ 696 خزائن جلد 3 صفحہ 475) پر درج کیا ہے اور اس حساب سے روز ششم کو الف ششم کا قائم مقام بتا کر اپنی پیدائش اس میں ثابت کی ہے اس لیے اب مرزا صاحب اس حساب سے انکار نہیں کر سکتے۔



جواب..... 2

مندرجہ بالا امور کے علاوہ ایک ضابطہ یہ بھی قابل توجہ ہے کہ ہر جہاں کی آب و ہوا اور تغیر و تبدل کے ضوابط الگ الگ ہیں تو اس ضابطہ کے تحت یہ سطح ارض ہے جہاں ہر چیز بزرگ یا بدیر (کلی مشکل کے طور پر) تغیر پذیر ہو رہی ہے مگر عالم بالا (آسمان) ایک غیر متغیر ماحول ہے وہاں کوئی چیز بھی تغیر پذیر نہیں ہوتی دیکھئے وہ ارواح و ملائکہ کا جہاں اور ماحول ہے وہاں یہ نوع مخلوق لاکھوں سال سے غیر متغیر حالت میں موجود ہیں۔ آج تک کبھی نہیں سنا گیا کہ کوئی ایک فرشتہ عمر رسیدہ ہو کر فوت ہو گیا۔ یا وہ نہایت بوڑھا ہو گیا۔ یا کم از کم اس کی سروس پوری ہو کر وہ اپنی ڈیوٹی سے پنشن یافتہ ہو گیا ہو۔

عالم بالا خدا تعالیٰ کی تجلی گاہ ہے تو جیسے اس کی ذات عالیہ ازل ابدی ہے وہ تغیر و تبدل سے بکلی منزہ ہے۔ ایسے ہی اس کا ماحول، آسمان بھی غیر متغیر ہے اگرچہ اس کے سوا سب مخلوق ہے اور ایک دن وہ لقمہ فنا بنیں گے مگر وہاں عالم دنیا اور ناسوت کی طرح، تدریج و تسلسل نہیں ہے تغیر و تنزل کا کوئی وجود نہیں لہذا جب حضرت مسیح علیہ السلام بقدرت الہی وہاں پہنچ گئے تو وہاں کا نام نہیں ہے۔ وہاں کی آب و ہوا ہے جس کے تحت وہ لاکھ سال بھی بلا تغیر و تبدل رہ سکتے ہیں۔ مرزا صاحب چونکہ سفل الطبع تھے ان کی ذہنی اور روحانی پرواز نکتہ انجماد سے بھی ڈاؤن تھی اس لیے یہ عام اور موٹی بات بھی ذہن میں نہ آ سکی جس کی بنا پر وہ معراج جسمانی کے انکار پر اترے ہوئے ہیں اور رفع و نزول مسیح علیہ السلام بھی ان کے اس سفل ادراک سے ماوراء ہے۔ وہ اس میدان کے فرد ہی نہیں یہ مسئلہ بمع دیگر ایسے مسائل کے تو عقول صافیہ کا مسئلہ ہے۔ مرزا کے سامنے ایسے حقائق تو ایسے ہیں جیسے کوئی بھینس کے سامنے بین بجا کر اس سے اپنی بہترین موسیقی پر داد تحسین وصول کرنا چاہے۔ یہ صاحب تو احق علی الارض کا نمونہ ہے۔ لہذا وضع العلم عند غیر اہلہ کمقلد الخنازیر اللؤلؤ والامتلہ ہے۔



پندرہویں آیت

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً (الروم 54)
 ”اللہ ہے جس نے بنایا تم کو کمزوری سے پھر دیا کمزوری کے پیچھے زور پھر دے گا زور کے پیچھے کمزوری اور سفید بال (بڑھاپا)۔“

قادیانی استدلال

تشریح۔ ”یہ آیت بھی صریح طور پر اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ کوئی انسان اس قانونِ قدرت سے باہر نہیں اور ہر ایک مخلوق اس محیطِ قانون میں داخل ہے کہ زمانہ اس کی عمر پر اثر کر رہا ہے یہاں تک کہ تاثیرِ زمانہ سے وہ پیرِ فرقت ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔“
 (ازالہ اوہام صفحہ 610 خزائن جلد 3 صفحہ 429)

جواب.....1

یہ سچ ہے۔ مگر آیت میں مسیح علیہ السلام کے مر چکنے کی دلیل اور مرزا صاحب کے بیان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وفات کر جانے کی وجہ استدلال ذرا بھی موجود نہیں۔ اچھا اگر کوئی شخص مشہور کر دے کہ مرزا مسرور صاحب کا انتقال ہو گیا اور جب کوئی اس سے پوچھے کہ تم کو کیونکر معلوم ہوا تو وہ یہی آیت پڑھ دے تو آپ اس کی وجہ استدلال کو کیا کہیں گے۔ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اس وقت مسیح علیہ السلام **ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً** کے مصداق حال ہیں۔ نزولِ برز میں کے **بَعْدَ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَ شَيْبَةً** کی حالت ان پر طاری ہوگی۔



جواب.....2

پہلے کمزور پھر طاقت ور پھر کمزور سفید بال! اگر احمدیوں کے نزدیک قاعدہ کلیہ ہے تو پھر جو بچہ نوعمری میں مر گیا وہ کلیہ میں شامل ہے؟ سیدنا نوح علیہ السلام ہزار برس کے ہو کر بھی پیرِ فرقت نہ ہوئے۔ حالانکہ مرزا صاحب 60 سال کے ہو کر پیرِ فرقت ہو گئے تھے کہ دائیں بائیں جوتے کی تمیز نہ تھی تو ایک بچہ کے لیے چند دن کی زندگی، نوح علیہ السلام کے لیے ہزار برس کی زندگی، اس آیت کے منافی نہیں بلکہ مستثنیات ہیں تو مسیح علیہ السلام کے لیے کیوں نہیں؟ جبکہ وہ اس عالم میں ہی نہیں ہیں بلکہ عالم بالا میں ہیں۔



سولہویں آیت

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ (یونس 24)

”دنیا کی وہی مثل ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس سے سبزہ زمین کا جو کہ کھائیں آدمی اور جانور۔“

قادیانی استدلال

”یعنی اس زندگی دنیا کی مثال یہ ہے جیسے اس پانی کی مثال ہے جس کو ہم آسمان سے اتارتے ہیں پھر زمین کی روئیدگی اس سے مل جاتی ہے پھر وہ روئیدگی بڑھتی اور پھولتی ہے، آخر کاٹی جاتی ہے یعنی کھیتی کی طرح انسان پیدا ہوتا ہے اول کمال کی طرف رخ کرتا ہے پھر اس کا زوال ہوتا جاتا ہے۔ کیا اس قانون قدرت سے مسیح علیہ السلام باہر رکھا گیا ہے؟“

(ازالہ اوہام صفحہ 611 خزائن جلد 3 صفحہ 430)

جواب..... 1

کاش مرزا صاحب اس مثال سے ہی فائدہ اٹھاتے اور سمجھتے کہ سب روئیدگی کی قسمیں زمین سے اُگنے، کمال تک پہنچنے اور بڑھنے اور پھر زوال کی جانب مائل ہو کر خشک ہونے میں درجہ مساوی نہیں رکھتیں۔ چنانچہ ہر سہ ماہی کو دو ماہ میں طے کر لیتا ہے اور عیشگر (کما د) کو کمال تک پہنچنے کے لیے دس ماہ کا عرصہ درکار ہے۔ سن اور ہالوں کا بیج چند پہر میں زمین سے اُگ آتا ہے اور گنوارے اور کھنڈی کا بیج سال بھر تک زمین میں جوں کا توں پڑا رہتا ہے۔ افسوس کہ آپ حارث و حراث ہونے کے دعویدار ہو کر بھی ان مثالوں سے بہت کم مستفید ہوتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام اس قانون قدرت سے باہر نہیں۔ مگر اس قانون میں مساوات شخصی نکال کر آپ دکھا دیجئے۔

جواب..... 2

مرزا صاحب کے لیے یہ نمونہ میں کافی ہے کہ اگر یہ ضابطہ عام مانا جائے تو پھر تمام انبیاء حیوان، جماد ایک ہی رفتار سے سفر کریں۔ یہ انسان ایک ہی طرح کے حالات و تغیرات سے دوچار ہو۔ فعلی اور پودے ایک ہی رفتار سے پیدا ہوں۔ بڑھیں اور قابل استفادہ ہوں حالانکہ ان امور میں ناقابل فہم تفاوت سامنے ہے ایک پودہ چند دن میں اپنا سفر طے کر رہا ہے اور ایک پودہ صدیوں تک اپنا سفر حیات طے کرتا ہے۔ ایک جانور چند لمحات کا مسافر ہوتا ہے (جیسے کئی قسم کے جراثیم) اور کئی حیوان انسان سے بھی بڑھ کر عمر پاتے ہیں اور دیکھئے یہ قانون خود مرزا صاحب کے گھر میں بھی نافذ رہا ہے کہ اس کا کوئی بچہ پیٹ ہی سے چل بسا۔ کوئی چند دن زندہ رہ کر کوئی چند سال کے بعد اور کوئی لمبی عمر پا کر فوت ہوئے تو جب رفتار حیات کسی کی بھی مساوی نہیں تو مرزا صاحب صرف مسیح علیہ السلام کو قانون مساوی کے کیوں پابند کرنے کے درپے ہیں؟ جب اس متغیر سطح ارضی پر کئی صدیاں انسان زندہ رہ چکے ہیں۔ (اصحاب کہف سیدنا نوح علیہ السلام) تو اس غیر متغیر جہاں میں جہاں کا ٹائم ٹیبل بھی اس جہاں سے کہیں متفرق ہے۔ وہاں باذن الہی مسیح علیہ السلام چند صدیاں زندگی نہیں گزار سکتے۔ آخر سارے جہاں سے صرف مرزا صاحب کو ہی کیوں اتنا فکر ہو رہا ہے حالانکہ مرزا صاحب خود بھی جسمانی حیات مسیح علیہ السلام کا مشاہدہ کر چکے ہیں چنانچہ کئی جگہ لکھ چکے ہیں کہ میں نے مسیح علیہ السلام کے ہمراہ کئی دفعہ ایک دسترخوان پر کھانا بھی کھایا اور ایک جگہ لکھا کہ میں نے مسیح علیہ السلام کے ساتھ ایک ہی پیالہ میں گائے کا گوشت بھی کھایا۔ (تذکرہ طبع چہارم صفحہ 349)

معلوم ہوا کہ وہ جوان ہیں زندہ ہیں کھاتے پیتے بھی ہیں۔

سترہویں آیت

ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ۝ (المؤمنون 15)
”پھر تم اس کے بعد مرو گے۔“

قادیانی استدلال

”یعنی اوّل رفتہ رفتہ خدا تعالیٰ تم کو کمال تک پہنچاتا ہے اور پھر تم اپنا کمال پورا کرنے کے بعد زوال کی طرف میل کرتے ہو یہاں تک کہ مر جاتے ہو، یعنی تمہارے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہی قانون قدرت ہے کوئی بشر اس سے باہر نہیں۔ اے خداوند قدیر! اپنے اس قانون قدرت کو سمجھنے کے لیے ان لوگوں کو بھی آنکھ بخش جو مسیح ابن مریم علیہ السلام کو اس سے باہر سمجھتے ہیں۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 611 خزائن جلد 3 صفحہ 430)

جواب.....1

ناظرین زبان عرب میں حرف ثَمَّ تراخی اور ترتیب کے لیے آتا ہے اور اسی لیے ہم نہایت صدق دل سے گواہی دیتے ہیں۔ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزَلَ فِيْنَا ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدَلًا ثُمَّ إِنَّهُ بَعْدَ ذَلِكَ لَيَمُوتُ. مرزا صاحب قانون قدرت کے مولے مولے حروف تو پڑھ لیتے ہیں۔ مگر کیا اچھا ہو کہ اس کی تشریحات بھی ملاحظہ کر لیا کریں۔

جواب.....2

رفتہ رفتہ کمال سیدنا مسیح علیہ السلام کا دور چل رہا ہے۔ اس کے بعد۔ بعد ذالک لمیتون میں داخل ہوں گے کیا یہی آیت پڑھ کر اس وقت تمام زندہ لوگوں کی وفات پر استدلال کیا جاسکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر مسیح علیہ السلام کی وفات پر استدلال کیسے صحیح ہوگا!



اٹھارویں آیت

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيَجُ فَتَرَهُ مُضْفَرًا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (الزمر: 21)

”تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر چلایا وہ پانی چشموں میں زمین کے پھر نکالتا ہے اس سے کھیتی کئی رنگ بدلتے اس پر پھر آئے تیاری پر تو تو دیکھے اس کا رنگ زرد پھر کر ڈالتا ہے اس کو چورا چور بے شک اس میں نصیحت ہے عقل مندوں کے واسطے۔“

قادیانی استدلال

”ان آیات میں بھی مثال کے طور پر یہ ظاہر کیا ہے کہ انسان کھیتی کی طرح رفتہ رفتہ اپنی عمر کو پورا کر لیتا ہے اور پھر مر جاتا ہے“ (اور حضرت مسیح علیہ السلام بھی بحیثیت انسان اس قاعدہ کلیہ اور قانون قدرت سے باہر نہیں رہ سکتے۔ مرتب)

(ازالہ اوہام صفحہ 612 خزائن جلد 3 صفحہ 430)

جواب

مرزا قادیانی وفات مسیح علیہ السلام پر اس آیت سے استدلال کی وجہ کچھ نہیں لکھ سکے۔ کھیتی کی مثال سچ ہے۔ مگر اس مثال میں مرزا صاحب کی غلط فہمی کا اظہار سولہویں آیت کے تحت میں ہم کر چکے ہیں۔ رفتہ رفتہ عمر پوری کرتا ہے لیکن عمریں مختلف ہیں۔ بچہ کی اور بوڑھے کی اور نوح علیہ السلام کی اور اصحاب کہف کی اور مسیح علیہ السلام کی اور اس تدرج طبعی کو سو فیصد تسلیم کرتے ہیں کہ ہر انسان ہی نہیں بلکہ ہر فرد مخلوق آہستہ آہستہ موت تک ہی سفر طے کر رہا ہے ہر فرد مخلوق، کل من علیہا فان سے مستثنیٰ نہیں مگر یہ بات کہ مسیح علیہ السلام پر موت آگئی کہاں ثابت ہوا۔ کیا امکان اور وقوع میں فرق نہیں؟



انیسویں آیت

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ (الفرقان 20)

”اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب کھاتے تھے کھانا اور پھرتے تھے بازاروں میں۔“

قادیانی استدلال

”یعنی ہم نے تجھ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے ہیں وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں پھرتے تھے۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اب تمام نبی نہ کھانا کھاتے ہیں نہ بازاروں میں پھرتے ہیں اور ہم پہلے بھی قرآنی ثابت کر چکے ہیں کہ دنیوی حیات کے لوازم میں سے طعام کا کھانا ہے، لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب فوت ہو چکے ہیں جن میں بوجہ کلمہ حصر مسیح بھی داخل ہے۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 612-613 خزائن جلد 3 صفحہ 431)

جواب.....1

ناظرین اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ان مکرین نبوت کے جواب میں نازل فرمائی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے اور رسالت کو بنظر حقارت دیکھتے اور یوں کہا کرتے تھے۔ مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ (الفرقان 7) یہ رسول کیسا ہے، جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس بیہودہ گفتگو کے جواب میں بطور تشفی و تسکین قلب فرمایا ہے کہ بازاروں میں پھرنا اور طعام کھانا اگر رسالت کے منافی ہے تو سارے کے سارے پیغمبر ایسے ہی گزرے ہیں۔ جن میں یہ صفات لوگوں نے دیکھے اور معلوم کیے اور بااہم یہ معترض ان میں سے بعض کی نبوت کا یقین بھی رکھتے ہیں۔ مثلاً نصاریٰ اور یہود اور عرب کے اکثر قبیلے اب آپ خیال فرمائیں کہ اس میں کونسی دلیل وفات مسیح کی ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے طعام کھانے یا نہ کھانے کی بحث ساتویں آیت کے تحت میں ہو چکی۔ مرزا صاحب آپ نے ان تین آیتوں کو دلیل وفات مسیح بنانے میں حصر اور تعمیم سے بہت ہی کام لیا ہے اور یہ دل میں ٹھان لی ہے کہ اگر ایک تعمیم کی دوسری نص تخصیص کر دیتی ہو تو اس تخصیص کا ہرگز اعتبار نہیں کریں گے۔ مگر یہ کاغذ کی ناؤ چلتی نظر نہیں آتی اَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ (یس 77) ”کیا انسان نے نہیں دیکھا اور غور کیا کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا اور وہ جھٹ کھلم کھلا خصومت رکھنے والا بن گیا۔“ آیت میں الْإِنْسَانُ کل انسانوں پر شامل ہے۔ جس سے کوئی باہر نہیں حالانکہ اسی آیت میں دو جگہ آپ کو تخصیص مانی پڑے گی اَوَّلِ مَنْ نُطْفَةٍ میں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام انسان تھے مگر نطفہ سے پیدا نہ ہوئے تھے۔ دوم خَصِيمٌ مُبِينٌ میں کیونکہ ہم یقیناً اور ایماناً جانتے ہیں کہ انبیاء اور صدیقین نہایت فرمانبردار بندے ہوتے ہیں اور کبھی اپنے پروردگار سے خصومت نہیں کرتے۔

2..... مرزا صاحب یہ فرمائیں کہ طعام کھانا اور بازاروں میں پھرنا یہ مرسلین کا لازم حال تھا یا مجملہ صفات بشری کے ایک صفت، اگر لازمہ حال تھا تو لازم آتا ہے کہ ہر ایک نبی اور مرسل نے وقت پیدائش سے لے کر زندگی کی آخرین ساعت تک۔ غرض اپنی تمام تر عمر کا کوئی لمحہ کوئی لحظہ کوئی منٹ کوئی سکند ایسا گزرنے نہ دیا ہو کہ وہ بازار میں نہ پھرتے ہوئے اور کچھ نہ کچھ کھاتے ہوئے نظر نہ آئے ہوں۔ غرض کہ ان کا منہ اور ان کے پاؤں ہر وقت چلتے ہی رہتے تھے۔ کیوں مرزا صاحب آپ کے مذہب میں یہی معنی اس آیت کے ہیں؟ اگر یہی معنی ہیں تو اس کا بطلان نہایت صریح ہے لیکن اگر باوجود آیت کے الفاظ بالا کے یہ معنی آپ نہیں کرتے۔ بلکہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے کھانے اور بازاروں میں پھرنے کے خاص اوقات ہوں اور دیگر اوقات میں اکل طعام اور مَشْيُ فِي السُّوقِ ان میں پایا بھی نہ جاتا ہو تب آیت بالا آپ کے کیا مفید ہے؟ اگر کسی معتکف و صائم کو دیکھ کر کوئی شخص یہ حکم لگا سکتا ہے کہ طعام کھانے اور بازاروں میں پھرنے کی صفت اس سے جاتی رہی تو اس کے دانشمند ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے؟ مرزا صاحب ان نمونوں سے بھی مستفید نہیں ہوتے۔

جواب.....2

ممکن ہے کہ مرزا صاحب یا کوئی ان کا مرید کبھی یہ استدلال بھی کرنے لگے کہ روزہ رکھنا اس آیت کے خلاف ہے ماسجعلنا ہم جسدا لایاکلون اور آیت هَذَا إِنَّهُمْ لَيَاْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَرْضِ۔ اگر اس کو راز نبوت قرار دے لیا جائے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراقبات حرا اور وصال کا انکار لازم آتا ہے۔

بیسویں آیت

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۝

(النحل 20-21)

”اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں۔ مردے ہیں جن میں جان نہیں اور نہیں جانتے کب اٹھائے جائیں گے۔“

قادیانی استدلال

”دیکھو یہ آیتیں کس قدر صراحت سے مسیح علیہ السلام اور ان سب انسانوں کی وفات پر دلالت کر رہی ہیں جن کو یہود اور نصاریٰ اور بعض فرقے عرب کے اپنے معبود ٹھہراتے تھے اور ان سے دعائیں مانگتے تھے، اگر اب بھی آپ لوگ مسیح ابن مریم علیہ السلام کی وفات کے قائل نہیں ہوتے تو سیدھے یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ہمیں قرآن کریم کے ماننے میں کلام ہے۔ قرآن کریم کی آیتیں سن کر پھر وہیں نہ ٹھہر جانا کیا یہ ایمان داروں کا کام ہے۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 613-614 خزائن جلد 3 صفحہ 431)

جواب.....1

الذین کا ترجمہ ”جن لوگوں کو“ صحیح نہیں کیونکہ الذین سے مراد اصنام (بت) بھی ہیں لہذا صحیح ترجمہ یوں ہے ”اور جن کو پکارتے ہیں“ اور چونکہ کفار میں زیادہ تربت پرستی ہی پائی جاتی تھی (چنانچہ کعبہ کے 360 بت جو فتح مکہ کے دن توڑے گئے اس پر شاہد ہیں) اس لیے۔

جواب.....2

اموات کے بعد غیر احیاء کا ذکر کیا گیا تاکہ اصنام کی حقیقت اصل یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ علی الاطلاق مردہ ہیں۔ ان کو حیات کی ہوا بھی نہیں لگی نہ پہلے کبھی نہ اب۔

جواب.....3

وما يشعرون ایان یبعثون (النحل 21) کا مطلب تو یہ ہے کہ ان معبودوں کو اس کا بھی شعور (علم) نہیں کہ ان کے پوجنے والے کب اٹھائے جائیں گے۔ (جلالین وفتح البیان) بلکہ ان سے بہتر تو ان کے عابد ہیں کہ ان کو علم و شعور اور حیات تو حاصل ہے۔ (دوسری طرز سے)

جواب.....4

آیت کا یہ مطلب نہیں کہ معبودان مصنوعی مرچکے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ ان سب کو موت آنے والی ہے صرف لفظ اموات کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکال لینا کہ وہ سب کے سب مر چکے ہیں غلط ہے انک میت و انهم میتون (الزمر 30) اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو بھی میت ہے اور وہ بھی، مطلب یہ ہوا کہ بالآخر موت آنے والی ہے لہذا آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہوا کہ تمام وہ لوگ جو اللہ کے سوا پوجے جاتے ہیں آخر کار مرنے والے ہیں گو ان میں کئی مرچکے ہوں اور ہم بھی مانتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام بعد نزول فوت ہو جائیں گے۔

جواب.....5

نیز مشرکین جنوں اور فرشتوں کو بھی پوجتے تھے کیا وہ سب مر چکے ہیں؟ کیونکہ وہ بھی من دون اللہ میں شامل ہیں۔ نیز آج بھی کئی ایسے ملنگ پیر معبود ہیں جن کو جاہل لوگ سجدے کرتے ہیں ان کی عبادت کرتے ہیں تو کیا وہ اب مرے ہوئے ہیں؟ اصل مفہوم یہی ہے کہ جن کی لوگ پوجا کرتے ہیں وہ معرض فنا میں ہیں۔ بقا صرف ذات واحد کو ہے الحی القيوم صرف ایک ہی ہے لہذا عبادت کا مستحق بھی یہی ہے بل فی تمام کل شیء ہالک اور کل من علیہا فان کے زیر تصرف ہیں۔

کیونکہ ماسوا اللہ ہر چیز پر مدہ فنا میں تھی پھر عالم موجود میں آئی اس کے بعد پھر پردہ فنا سے دوچار ہونے والی ہے۔

ناظرین! مرزا صاحب نے اپنی عبارت میں انسانوں کی قید اپنی طرف سے لگا دی ہے۔ آیت میں ہے اور اس لیے ایسے تین صفات بیان ہوئے ہیں جن سے کوئی مخلوق جن و ملک انسان ان وغیرہ اس تعیم سے باہر نہیں رہ سکتے۔

1..... مِنْ ذُوْنِ اللّٰهِ اِس میں کل مخلوق شامل ہے

2..... کسى کا خالق نہ ہونا۔ یہ بھی سب پر محیط ہے۔

3..... مخلوق ہونا۔ یہ بھی بجز خدا کے سب کو گھیرے ہوئے ہیں پس ان صفتوں والا اگر کسى قوم اور قبیلہ کا معبود سمجھا یا مانا گیا ہے تو وہ مردہ ہے۔“

جب ہم نصاریٰ کے مذہب پر نظر ڈالتے ہیں جو خدا کو ثالثِ ثلاثہ جانتے ہیں اور اس کے علاوہ اقوام قائم کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خدا کے سوا ایک تو مسیح کو معبود جانتے ہیں دوسرے روح القدس کو۔ ان دونوں کی پرستش بھی کرتے ہیں اور ان دونوں کو پکارتے بھی۔

مرزا صاحب اس آیت پر تمسک کر کے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے ہیں۔ میں ان سے دریافت کر لینا چاہتا ہوں کہ وہ روح القدس کو بھی مردہ جانتے ہیں۔ یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا وہ مِنْ ذُوْنِ اللّٰهِ نہیں۔ یا وہ کسى شے کا خالق بھی ہے۔ یا وہ خود مخلوق نہیں یا نصاریٰ اس کو اسی طرح نہیں پکارتے۔ جس طرح مسیح کو پکارتے ہیں؟ اگر یہ سب صفات اس میں موجود ہیں تو پھر..... روح القدس کو آیت کی تعیم سے جدا رکھنے کی کیا وجہ ہے؟ اگر مرزا صاحب کے پاس روح القدس کو اس عمومیت سے جدا رکھنے اور جدا باور کرنے کی کوئی وجہ ہے۔ تو یقین رکھیے کہ ہمارے پاس بھی ہے اور اگر وہ روح القدس کو بھی مردہ سمجھتے ہیں تو بسم اللہ اس کا اقرار فرمائیں تاکہ ان کے بیسیوں دلائل پر پانی پھر جائے اور میں پھر معنی آیت گزارش کروں۔

ناظرین! ایک لطیف قصہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ جب قرآن مجید میں انکم وَمَا تَعْبُدُوْنَ حَصْبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء 98) نازل ہوا۔ تو مشرکین نے اس تعیم کو دیکھ کر خوب تالیاں لگائیں اور خوش ہو کر کہا کہ اگر ہم اور ہمارے بت جہنم میں ڈالے جائیں گے تو ہم کو کچھ غم نہیں کیونکہ اسی قاعدہ وَمَا تَعْبُدُوْنَ کے بموجب نصاریٰ کے ساتھ مسیح کو بھی جہنم میں ڈالا جائے گا اور ہم اس پر خوش ہیں کہ جب مسیح جہنم میں جائے تو ہم اور ہمارے بت بھی وہیں ڈالے جائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا مَاصَرُّنَا لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ (الزخرف 58) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظیر جو ان کفار نے پیش کی ہے۔ یہ ان کا مجادلہ ہے یہ لوگ محض خصومت سے ایسی باتیں کرتے ہیں اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ (الزخرف 59) حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو خدا کے ایسے بندہ ہیں۔ جن پر خدا نے نعمت کی ہے۔ پس آیت کریمہ کی اس تعیم میں وہ منعم علیہ جس کی تخصیص و استثناء دیگر آیات سے ہو چکی ہے کیونکہ شامل ہو سکتا ہے۔ فرمایا ان الذین سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُنْعَدُونَ۔ گو یا مرزا صاحب نے فطرت کے لوگوں کو واضح کیا کہ عدم سے استدلال صحیح نہیں ہوتا۔

مرزا صاحب ملاحظہ فرمائیں کہ ایسی تعیمات سے تمسک و استدلال کرنا اور دیگر آیات پر نظر نہ ڈالنا وہ شیوہ اور وہ مسلک ہے جس پر مشرکین مکہ گامزن ہو چکے ہیں اور جن کی تکذیب قرآن مجید فرما چکا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کا استدلال نہ شرعی ہے نہ عالمانہ بلکہ آیت مذکورہ ایسے استدلال کا نام مجادلہ رکھتی اور مستدل کو قَوْمٌ خَصِمُونَ میں شامل کرتی ہے فَاَعْتَبِرُوا يَا اُولٰٓئِی الْاَبْصَارِ۔

1..... اَمَوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ پر بھی غور فرمائیے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ یہ مِنْ ذُوْنِ اللّٰهِ جن کو پکارا جاتا ہے۔ یہ اَمَوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ حَالًا ہیں یا مَآ لَا ہیں۔ یعنی کیا آیت کے یہ معنی مرزا صاحب کرتے ہیں کہ جب چند شخصوں نے کسى مِنْ ذُوْنِ اللّٰهِ کو پکارنا شروع کیا تو وہ فوراً مر بھی جاتا ہے اور اس کی حیات بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ اگر وہ یہی معنی کرتے ہیں۔ تب کچھ شک نہیں کہ یہ معنی خلاف واقع ہیں اور کلام ربانی کی شان عظیم اس سے برتر و اعلیٰ ہے۔ ہم نے خود سینکڑوں ایسے شخص دیکھے ہیں اور مرزا صاحب نے نیز ناظرین نے بھی دیکھے ہوں گے کہ ان کے بیوقوف معتقد اور میدان کو خدائے حاضرہ و ناظر کی طرح ہر وقت ہر جگہ موجود جانتے ہیں اور اٹھتے بیٹھتے، جاگتے سوتے، یا پیر یا پیر ہی پکارا کرتے ہیں۔ ان کا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ خدا روٹھ جائے تو پیر ملا دیتا ہے اور پیر روٹھ جائے تو خدا نہیں ملا سکتا۔ اس لیے وہ ہمیشہ پیر کا درجہ رسول اور خدا سے

برتر و افضل جانا کرتے ہیں اور باہمہ طغیانی کفر و شرک یہ مِنْ دُونِ اللہِ معبود اپنی تمتع اور کامرانی کے دن بڑی عیش و شادمانی سے پورے کیا کرتے ہیں۔ یہ واقعات جن کا ظہور ہر شخص ہر روز دیکھ سکتا ہے۔ بتلا رہے ہیں کہ مرزا صاحب کے معنی غلط اور خلاف واقع ہیں۔

اب رہا ان کا مَا لَا اموات اور غیر احياء ہونا یعنی بالآخر ان مشرکین کے معبودوں نے ایک روز مرنا ہے۔ یہ پیشک صحیح ہے مگر اب آیت میں مسیح علیہ السلام کی وفات بالفعل پر ذرا بھی اشارت باقی نہ رہے گا اور مرزا صاحب کا ہم پر کچھ اعتراض نہ رہ گیا کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات بزمانہ آئندہ کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور کُلُّ نَفْسٍ فَاِنَّ کَاثِر و نفاذ مسیح پر بھی تسلیم کرتے ہیں۔

(جوابات بالا مرزا صاحب کی تفہیم کے لیے عرض کیے گئے ہیں۔ ورنہ مفسرین نے آیت کو بحق اصنام یعنی بتوں کے لیے لکھا ہے اور اموات غیر احياء کے یہ معنی کیے ہیں کہ ان بنائے ہوئے معبودوں کو تو کبھی بھی حیات حاصل نہیں ہوئی۔ ان میں کبھی بھی لوازم زندگی پائی نہیں گئی اور اس لیے عدم محض ہیں اس معنی پر کوئی اعتراض مرزا صاحب کا وارد نہیں ہوتا اور وفات مسیح کی دلیل کا تو اس میں ہونا ذرا بھی تعلق نہیں رکھتا)



اکیسویں آیت

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب 40)
 ”محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔“

قادیانی استدلال

”یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا پس اس سے بھی کمال وضاحت ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ دنیا میں نہیں آ سکتا، کیونکہ مسیح ابن مریم رسول ہے..... اور یہ امر خود مستلزم اس بات کو ہے کہ وہ مر گیا۔“
 (ازالہ اوہام صفحہ 614 خزائن جلد 3 صفحہ 431)

جواب..... 1

ناظرین یہاں مرزا صاحب سے سخت غلط فہمی ہوئی ہے اور منشاء غلطی یہ ہے کہ سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیعہ کے سمجھنے میں قصور ہوا ہے۔
 قرآن مجید میں یہ آیت صریح اور نص قطعی موجود ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ
 (آل عمران 81)

”جب خدا نے نبیوں سے اقرار لیا جو کچھ میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے پھر جب تمہاری طرف رسول موعود آئے جو تمہاری سچائی ظاہر کرے گا تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔“

اس کا مفہوم و منطوق یہ ہے کہ جس قدر انبیاء و رسل حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک گزرے ہیں۔ یہ سب وعدہ کر چکے ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے شمار میں اپنے آپ کو داخل و شامل سمجھیں گے اور امتیوں کی طرح آپ کا کلمہ پڑھیں گے۔ اسی آیت کی عملی تفسیر اس حدیث معراج میں ہے۔ جو صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بن کر نماز پڑھا کی اور موسیٰ و عیسیٰ و ابراہیم علیہم السلام وغیرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مقتدی بن کر پڑھی۔ پس جب انبیاء گذشتہ کا شمار پہلے ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بعد ہوتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس ميثاق ازلی کے ایفاء کے طور پر دنیا میں آنا اور خلیفہ مسلمین بننا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ درجہ رسالت کا مظہر ہے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ خاتمیت کے منافی۔ یہ امر کہ مسیح علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شمار ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب نے انیسویں آیت کے تحت میں (ازالہ صفحہ 623 خزائن جلد 3 صفحہ 436) پر ان الفاظ میں مان لیا ہے۔

”یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اس امت کے شمار میں ہی آ گئے ہیں۔“

یہ اقرار کرنے کے بعد مرزا صاحب سے نہایت مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ مسیح بن مریم کے آنے کا انکار اس آیت کے تمسک سے کریں اور تعجب پر تعجب یہ ہے کہ انبیاء گذشتہ میں سے اگر کوئی نبی اس ميثاق ازلی کے موافق جس کی خبر قرآن مجید میں دی گئی۔ ہمارے سید محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و خدمت کے لیے دنیا میں تشریف لائے تو مرزا صاحب اس آیت کو اس کے لیے مانع خیال کرتے ہیں مگر خود اپنے لیے ایک پہلو نکال کر یوں تحریر کرتے ہیں

”خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ہونا ہمارے عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے۔ ہاں ایسا نبی جو مشکوٰۃ نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نور حاصل کرتا ہے اور نبوت تامہ نہیں رکھتا۔ جس کو دوسرے لفظوں میں محدث بھی کہتے ہیں۔ وہ اس تحریر سے باہر ہے کیونکہ وہ باعث اتباع اور فتانی الرسول ہونے کے جناب ختم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہے۔ جیسے کل میں جزو داخل ہوتی ہے۔“ (ازالہ صفحہ 575 خزائن جلد 3 صفحہ 410-411)

دیکھو کیسے صاف لفظوں میں لکھ گئے کہ میں نبی ہوں اور یہ آیت میرے لیے مانع نہیں کیونکہ فتانی الرسول ہو کر میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جزو بن گیا

ہوں۔

اچھا مرزا صاحب اگر باعث اتباع اور فتانی الرسول ہونے کے کوئی نبی ختم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہو جاتا ہے اور اس کی نبوت جدا گانہ شمار نہیں ہوتی۔

تب بھی حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا آنا اور نزول فرمانا ثابت ہو گیا کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث معراج عن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا ہے اور فانی الرسول ہونے کی شہادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس وعظ سے ملتی ہے۔ جس میں انھوں نے اپنی امت کو وجود باوجود محمدؐ۔ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سنا کر فرمایا تھا۔

”آگے کو تم سے بہت باتیں نہ کروں گا کیونکہ اس دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔“ (یوحنا 15 باب 20)

دنیا کا سردار اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔ خیال کرو کیسے الفاظ ہیں اور کس سچے دل اور صادق زبان سے نکلے ہیں۔ اگر فانی الرسول کا درجہ اس قول کے قائل کو بھی حاصل نہیں (جس کا اپنے قول میں صادق ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے) تو اور کس شخص کو ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد مرزا صاحب اس حدیث پر نظر فرمائیں۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کو عطا کی بھائی فرما کر آخر میں فرمایا ہے وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ يَهَاں آپ ذرا غور سے دیکھیں کہ آپ کی اصطلاح کے موافق عیسیٰ بن مریم تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح علیہ السلام میں کس طرح داخل ہیں۔ غرض ثابت ہوا کہ آپ کی مسئلہ آیت آپ کے مفید نہیں ہو سکتی۔ سمجھو وجوہ

1..... قرآن مجید شہادت دیتا ہے کہ سابقہ جملہ انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہیں۔ لہذا اس میں سے کسی ایک کا آنا اور خلیفہ بننا بعینہ صدیق رضی اللہ عنہا اور فاروق رضی اللہ عنہ جیسا خلیفہ بننا ہے۔

2..... مرزا صاحب نے مان لیا کہ مسیح علیہ السلام بھی اسی امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمار میں آچکا ہے۔

3..... مرزا صاحب کہتے ہیں۔ میں نبی ہوں اور میرے لیے آیت خاتم النبیین مانع نہیں کیونکہ مجھے درجہ فانی الرسول حاصل ہے اور میں رسول خدا سے کچھ جدا نہیں ہوں۔

4..... فانی الرسول کا قاعدہ کلیہ حضرت مسیح پر زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ انجیل اور صحیح مسلم اس کے گواہ ہیں۔

پس ثابت ہو گیا۔ مرزا صاحب نے اس آیت سے استدلال میں بڑی غلطی کھائی ہے یا صریح مغالطہ دیا ہے۔

ناظرین یہ بھی یاد رکھیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام جو خدا کے نبی ہیں۔ وہ ہمارے سید و مولا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں۔ صحابی کی تعریف یہ ہے کہ اس نے ایمان کے ساتھ اس زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت مسیح علیہ السلام سے شب معراج کو ملاقات کرنا ثابت ہے۔ پس نتیجہ یہ ہے کہ اگر صدیق رضی اللہ عنہو فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے آیت خاتم النبیین مانع ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خلافت کے لیے بھی ہے اور اگر ان کے لیے مانع نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی مانع نہیں۔ ایک نبی کا نبی ہو کر پھر صحابی ہونا بھی بعید نہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کی مثالیں موجود ہیں۔ ہارون علیہ السلام تو موسیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے۔ یحییٰ زکریا علیہ السلام کے۔

آنحضرت مرزا صاحب کا یہ استدلال اور مفہوم اجماع امت کے بھی خلاف اور خود مرزا صاحب کے مسلمہ اقرار و اعتراف کے خلاف ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ اس آیت کریمہ کے متعلق سابقہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور بعد کے ائمہ ہدئی، مجددین، ملہمین، مفسرین و محدثین تمام متکلمین اور متصوفین نے اس آیت کا مفہوم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر نص صریح تسلیم کیا ہے اور اس کو آدھ مسیح علیہ السلام کے رقی بھر منافی نہیں رکھا۔ یہ صحیح مفہوم تھا جو ہر زمانہ اور ہر دور میں مسلم تھا۔ اب مرزا صاحب نے لکھا اجماع مسئلہ کے منکر پر خدا۔ رسول اور تمام کائنات کی لعنت ہے۔ (ازالہ) پھر لکھا کہ سلف، خلف کے لیے بطور وکیل کے ہوتے ہیں ان کی شہادت ماننا ہی پڑتی ہیں۔

جواب..... 2

سیدنا مسیح علیہ السلام کا آنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منافی نہیں۔ مرزا صاحب سے صدیوں پہلے علامہ آلوسی نے روح المعانی میں اس اعتراض کا جواب دے دیا ہے۔ ای لا ینباء احد بعدہ اما عیسیٰ ممن نبی قبلہ ”خاتم النبیین کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو منصب نبوت پر فائز نہیں کیا

جائے گا۔ باقی رہے عیسیٰ علیہ السلام تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی بنا چکے ہیں۔ اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کی آمد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منافی نہیں۔

جواب.....3

معراج کی رات تمام انبیاء علیہم موجود تھے تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تھے۔ قیامت کے دن تمام انبیاء علیہم السلام موجود ہوں گے تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہوں گے۔ اس لیے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی بنائے جا چکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی بنے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منافی ہے۔

جواب.....4

سیدنا مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی نہیں بنا رہی۔ نہ شمار انبیاء میں اضافہ ہو رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں بن رہا بلکہ نبی ماقبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہو رہا ہے۔ وہ ایک نہیں بلکہ سب (شب معراج، یوم قیامت) شامل ہوں تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے خلاف نہ ہوگا۔ بخلاف اس کے کہ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے جیسے میلہ کذاب یا کذاب قادیان وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے باغی و منحرف کہلائیں۔ اور کافر، کذاب و دجال۔



بانیسویں آیت

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل 44)

”سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں۔“

قادیانی استدلال

”یعنی اگر تمہیں ان بعض امور کا علم نہ ہو جو تم میں پیدا ہوں تو اہل کتاب کی طرف رجوع کرو اور ان کی کتابوں پر نظر ڈالو تا اصل حقیقت تم پر منکشف ہو جائے۔ سو جب ہم نے موافق حکم اس آیت کے اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا اور معلوم کرنا چاہا کہ کیا اگر کسی نبی گذشتہ کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہو تو وہی آجاتا ہے یا ایسی عبارتوں کے کچھ اور معنی ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اسی امر متنازعہ فیہ کا ہم شکل ایک مقدمہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام آپ ہی فیصلہ کر چکے ہیں اور ان کے فیصلہ کا ہمارے فیصلہ کے ساتھ اتفاق ہے، دیکھو کتاب سلاطین و ملا کی نبی اور انجیل جو ایلیاہ علیہ السلام نبی کا دوبارہ آسمان سے اترنا کس طور سے حضرت مسیح علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 616 خزائن جلد 3 صفحہ 342)

آئیے مرزا صاحب اگر آپ فاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ پر ہی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو یوں ہی فیصلہ کر لیں آپ نے الفاظ ”ایلیاہ کا دوبارہ آسمان سے اترنا“ لکھ کر یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ایلیاہ آسمان پر چڑھایا گیا۔ آپ یہ دریافت کرتے ہیں کہ اس کا اترنا کس طور کا بیان کیا گیا ہے تو پہلے یہ دریافت کر لیجئے کہ ”ایلیاہ کا آسمان پر چڑھ جانا کس طرح بیان کیا گیا ہے“ اور یوں ہوا کہ جب خداوند نے چاہا کہ ایلیاہ کو ایک بگولے میں اُڑا کے آسمان پر لیجائے۔ تب ایلیاہ المسیح کے ساتھ جلجلال سے چلا اور ایلیاہ نے المسیح کو کہا تو یہاں ٹھہریو اس لیے کہ خداوند نے مجھے بیت ایل کو بھیجا ہے۔ سو المسیح بولا۔ خداوند کی حیات اور تیری جان کی سوگند میں تجھے نہ چھوڑوں گا۔ سو وہ بیت ایل کو اتر گئے اور انبیاء زادے جو بیت ایل میں تھے نکل کے المسیح پاس آئے اور اس کو کہا تجھے آگاہی ہے کہ خداوند آج تیرے سر پر سے تیرے آقا کو اٹھالے جائے گا۔ وہ بولا ہاں میں جانتا ہوں تم چپ رہو۔ تب ایلیاہ نے اس کو کہا۔ اے المسیح تو یہاں ٹھہریو کہ خداوند نے مجھے یریکو کو بھیجا ہے۔ اس نے کہا خداوند کی حیات اور تیری جان کی قسم میں تجھ سے جدا نہ ہوں گا۔ چنانچہ وہ یریکو میں آئے اور انبیاء زادے جو یریکو میں تھے۔ المسیح پاس آئے اور اس سے کہا تو اس سے آگاہ ہے کہ خداوند آج تیرے آقا کو تیرے سر پر سے اٹھالے جائے گا۔ وہ بولا۔ میں تو جانتا ہوں۔ تم چپ رہو اور پھر ایلیاہ نے اس کو کہا تو یہاں درنگ کیجیو کہ خداوند نے مجھ کو یردون بھیجا ہے۔ وہ بولا۔ خداوند کی حیات اور تیری جان کی قسم میں تجھ کو نہ چھوڑوں گا۔ چنانچہ وہ دونوں آگے چلے اور ان کے پیچھے پیچھے پچاس آدمی انبیاء زادوں میں سے روانہ ہوئے اور سامنے کی طرف دو رکھڑے ہو رہے اور وہ دونوں لب یردون (نام ریا) کھڑے ہوئے اور ایلیاہ نے اپنی چادر کو لیا اور لپیٹ کر پانی پر مارا کہ پانی دو حصے ہو کے ادھر ادھر ہو گیا اور وہ دونوں خشک زمین پر ہو کے پار گئے اور ایسا ہوا کہ جب پار ہوئے تب ایلیاہ نے المسیح کو کہا کہ اس سے آگے کہ میں تجھ سے جدا کیا جاؤں۔ مانگ کہ میں تجھے کیا دوں۔ تب المسیح بولا مہربانی کر کے ایسا کیجئے کہ اس روح کا جو تجھ پر ہے مجھ پر دو ہر حصہ ہو۔ تب وہ بولا تو نے بھاری سوال کیا۔ سو اگر مجھے آپ سے جدا ہوتے ہوئے دیکھے گا تو تیرے لیے ایسا ہوگا اور اگر نہیں تو ایسا نہ ہوگا اور ایسا ہوا کہ جوں ہی وہ دونوں بڑھتے اور باتیں کرتے چلے جاتے تھے تو دیکھ کہ ایک آتش تھی اور آتش گھوڑوں کے درمیان آ کے ان دونوں کو جدا کر دیا اور ایلیاہ بگولے میں ہو کے آسمان پر جاتا رہا اور المسیح نے یہ دیکھا اور چلایا۔ اے میرے باپ میرے باپ اسرائیل کی رتھ اور اس کے ساتھی۔ سو اس نے پھر نہ دیکھا اور اس نے اپنے کپڑوں پر ہاتھ مارا اور انھیں دو حصے کیا۔ اور اس نے ایلیاہ کی چادر کو بھی جو اوپر سے گر پڑی تھی اٹھالیا اور الٹا پھرا اور یردون کے کنارے پر کھڑا ہوا اور وہاں اس نے ایلیاہ کی چادر کو جو اس پر سے گر پڑی تھی لے کر پانی پر مارا اور کہا کہ خداوند ایلیاہ کا خدا کہاں ہے اور اس نے بھی اس چادر کو جب پانی پر مارا تو پانی ادھر ادھر ہو گیا اور المسیح پار ہو گیا۔“ مرزا صاحب ایلیاہ کے آسمان پر چڑھ جانے کی یہ کیفیت مفصل پڑھ کر اب اپنے اس فقرہ کو یاد کریں کہ ”جب جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چلے جانا ثابت ہو جائے تو پھر اسی جسم کے ساتھ اترنا کچھ مشکل نہیں۔“

نیز یہ فقرہ (کتاب مقدس سلاطین 2 باب 2 آیت 4 تا 1، صفحہ 350 مطبوعہ 1927ء)

”مسیح کا جسم کے ساتھ آسمان سے اترنا اس کے جسم کے ساتھ چڑھنے کی فرع ہے“ (ازالہ صفحہ 270 خزائن جلد 3 صفحہ 236)

اور ملاحظہ کیجئے کہ ایلیاہ کا جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھنا کس وضاحت سے اہل کتاب کے صحفِ سماوی میں مندرج ہے۔ آپ کا یہ کہنا کہ ایلیاہ کی جس چادر کے گرنے کا ذکر ہے۔ وہ اس کا جسم ہی تو تھا بالکل غلط ہے کیونکہ اول تو شروع باب میں یہ فقرہ ہے یہ خدا نے چاہا کہ ایلیاہ کو ایک بگولے میں اڑا کے آسمان پر لے جائے۔ بگولے میں اڑا کر لے جانا روح سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ دوم یہ فقرہ ایلیاہ نے اپنی چادر کو لپیٹ کر دریا پر پھینک کر مارا۔ پانی ادھر ادھر ہو گیا۔ اگر چادر سے مراد جسم ہے تو ایلیاہ نے خود اپنے جسم کو کس طرح لپیٹ کر دریا پر مارا تھا۔ سوم یہ فقرہ الیسع نے بھی اس چادر کو جب پانی پر مارا۔ کیا الیسع نے اپنے پیرومرشد کی لاش کو پھینک کر مارا تھا غرض یہ تاویل فضول ہے اور سلاطین باب 2 سے ایک جسم کا آسمان پر جانا ثابت ہے۔ اگر مرزا صاحب کو فاسُئِلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ پُر ایمان ہے تو پہلے اس صعود جسمی کو تو مان لیں۔ ناظرین اس بیان میں مرزا صاحب نے چند غلطیاں کی ہیں۔ اول معنی آیت کے سمجھنے میں۔ آیت کے صاف معنی یہ ہیں کہ اگر تم کو معلوم نہ ہو تب اہل کتاب سے پوچھو۔ خدا کے فضل سے نزول مسیح علیہ السلام کا مسئلہ ایسا نہیں جو ہم کو معلوم نہ ہو۔ قرآن مجید سے لے کر صحاح ستہ اور دیگر تمام دواوین حدیث میں نزول مسیح علیہ السلام کی مفصل خبریں درج ہیں بلکہ میں دعویٰ کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ احادیث نزول مسیح میں اس قدر تفصیل اور تشریح ہے کہ آج تک کسی پیشگوئی کو تو کیا گذشتہ واقعہ کو بھی کسی مورخ نے ایسی خوبی اور صفائی سے شاید ہی بیان کیا ہو۔ میرا یہ کہنا تو مرزا صاحب کو ناگوار خاطر ہوگا کہ انھوں نے ان احادیث پر نظر نہیں ڈالی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ ان کی تحریر میں ان احادیث کا علم ہونے کی ذرا بھی دلالت نہیں۔



الف..... مرزا صاحب!!! جغرافیائی طور پر اس پیشگوئی کے متعلقہ احادیث اس طرح پر ہیں۔

- 1..... مدینہ کی آبادی اباب تک پہنچ جائے گی۔ (صحیحین مسلم جلد 2 صفحہ 393 کتاب الفتن) ناظرین آج ہمارے زمانہ تک اس حد تک آبادی نہیں پہنچی۔
- 2..... اسلامی شہروں میں سے سب سے آخر میں مدینہ ویران ہوگا۔ (ترمذی جلد 2 صفحہ 229 باب فضل المدینہ) خدا کے فضل سے آج مدینہ آباد و بارونق



ہے۔

- 3..... بیت المقدس کی کامل آبادی سبب ہے مدینہ کی خرابی کا۔ مدینہ کا خراب ہونا سبب ہے جنگ عظیم کا۔ جنگ عظیم کا واقع ہونا سبب ہے قسطنطنیہ کی فتح کا۔ قسطنطنیہ کی فتح ہو جانا وقت ہے خروج دجال کا (ابوداؤد جلد 2 صفحہ 132 باب امارت الملاحم) یہ فقرہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ خروج الدجال سبب ہے نزول مسیح کا۔
- 4..... حضرت مسیح شہر بیت المقدس میں اور مسلمانوں کے لشکر میں نازل ہوں گے۔

(ابوداؤد جلد 2 صفحہ 135 باب خروج الدجال وابن ماجہ صفحہ 297 باب فتح الدجال)



ب..... اس کے بعد ملکی انقلابات سے متعلقہ احادیث پر نظر ڈالیے۔

- 1..... مسلمانوں کا لشکر جو نصاریٰ کی طلب میں نکلا ہوگا۔ اس فوج کے مقابل ہوں گے جس نے قسطنطنیہ فتح کر لیا ہوگا۔ تین روز تک مسلمانوں کو شکست ہوتی رہے گی۔ چوتھے روز مسلمانوں کو فتح کامل حاصل ہوگی۔ اس جنگ سے روزہ میں 99 فیصدی مقتول ہوں گے۔ اس فتح کے بعد مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کر لیں گے۔ فتح کے بعد جب ملک شام میں پہنچیں گے۔ تب الدجال خروج کرے گا اور پھر نماز صبح کے وقت حضرت عیسیٰ نزول فرمائیں گے۔
- (مسلم جلد 2 صفحہ 391-392 کتاب الفتن عن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وابن مسعود رضی اللہ عنہ)

2..... الدجال زمین مشرق، خراسان سے نکلے گا۔ (ترمذی جلد 2 صفحہ 47 باب ما جاء في الدجال عن ابو بكر صدیق رضی اللہ عنہ)

3..... وہ بجز مکہ و مدینہ سب جگہ پھر جائے گا۔ (مسلم جلد 2 صفحہ 405 باب في بقیة احادیث الدجال)

4..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام باب لد پر الدجال کو قتل کریں گے۔ (مسلم جلد 2 صفحہ 401 باب ذکر الدجال)

ج..... تعین زمانہ اور سنین کے اعتبار سے ملاحظہ فرمائیے۔

1..... جنگ عظیم اور فتح قسطنطنیہ میں 6 سال کا فاصلہ ہے اور الدجال کا خروج ساتویں سال میں ہے۔

(ابوداؤد جلد 2 صفحہ 32 باب في تواتر الملاحم)

گو میں نے ان احادیث کی طرف نہایت مختصر لفظوں میں اشارہ کیا ہے۔ مگر حق کے طالب اور صداقت کے جو یا ان بیانات سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ میری غرض ان احادیث کو دکھانے سے یہ ہے کہ جب اسلام نے اپنی تعلیم کو خود مکمل کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ناچیز بندوں پر اپنی نعمت کو تمام فرما دیا ہے اور بحث فیہ مسئلہ میں بھی ایسی صراحت سے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا ہے تو ان نعمتوں کی قدر نہ کرنا اس پاک اور آخری تعلیم پر اعتبار نہ کرنا اور پھر اہل کتاب سے پرسش کا اپنے آپ کو محتاج جاننا کیا ہی لغو فعل ہے؟ جس طرح بہت سے شوم طبع بھکیاری (جن کے اندوختہ سے ان کے نفس کو بھی منفعت حاصل نہیں ہوتی) سینکڑوں اشرفیاں اپنی سڑی بسی گڈری میں چھپا رکھتے ہیں اور پیسہ پیسہ کے لیے در بدر بھٹکتے پھرا کرتے ہیں۔ بس اس جگہ بھی ٹھیک وہی مثال ہے۔ دوسری غلطی مرزا صاحب کی یہ رائے ہے کہ نصاریٰ کی کتابوں سے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ جب کسی نبی کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہو تو اس کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب کیوں یہ دیکھنا نہیں چاہتے کہ ان کتابوں میں خاص حضرت مسیح علیہ السلام کے آنے کے بارہ میں کیا لکھا ہے کیونکہ اس جگہ عمومیت کا سوال نہیں بلکہ خصوصیت کا ہے۔



میں معزز ناظرین کی نہایت طبع کے لیے مسیح کے آنے کے بارہ میں جو کچھ انجیل میں لکھا ہے پیش کرتا ہوں۔ متی 24 باب میں یہی بیان ہے۔

- 1..... یسوع ہیکل سے نکل کر چلا گیا اور اس کے شاگرد اس کے پاس آئے کہ اسے ہیکل کی عمارتیں دکھلائیں۔
- 2..... پر یسوع نے کیا کیا تم یہ سب چیزیں دیکھتے ہو۔ میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ یہاں پتھر پتھر پر نہ چھوٹے گا جو گرا یا نہ جائے گا۔
- 3..... جب وہ تینوں کے پہاڑ پر بیٹھا تھا۔ اس کے شاگرد اس کے پاس آئے اور بولے کہ یہ کب ہوگا اور تیرے آنے کا اور دنیا کے اخیر کا نشان کیا ہے۔
- 4..... اور یسوع نے جواب دے کے انہیں کہا خبردار ہو کہ کوئی تمہیں گمراہ نہ کرے۔
- 5..... کیونکہ بہتیرے میرے نام پر آئیں گے اور کہیں گے میں مسیح ہوں اور بہتوں کو گمراہ کریں گے۔
- 6..... اور تم لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہ سنو گے۔ خبردار مت گھبراؤ کیونکہ ان سب باتوں کا واقع ہونا ضرور ہے۔ پر اب تک اخیر نہیں ہے (یعنی قیامت نہیں)۔

- 7..... کیونکہ قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھے گی اور کال و بائیں اور جگہ جگہ زلزلے ہوں گے۔
- 8..... پھر یہ سب باتیں مصیبتوں کا شروع ہیں۔ تب وہ تمہیں دکھ میں حوالے کریں گے اور میرے نام کے سبب سب قومیں تم سے کینہ رکھیں گی۔
- 9..... اور اس وقت بہترے ٹھوکر کھائیں گے اور ایک دوسرے سے کینہ رکھے گا۔
- 10..... اور بہت جھوٹے نبی اٹھیں گے اور بہتوں کو گمراہ کریں گے۔
- 11..... اور بید نی پھیل جانے سے بہتوں کی محبت ٹھنڈی ہو جائے گی۔
- 12..... پر جو آخر تک سبے گا وہی نجات پائے گا۔
- 13..... اور بادشاہت کی یہ خوشخبری ساری دنیا میں سنائی جائے گی تاکہ سب قوموں پر گواہی ہو اور اس وقت آخر آئے گا۔
- 14..... پس جب ویرانی کی مکروہ چیز کو جس کا دانیال نبی کی معرفت ذکر ہوا ہے۔ مقدس مکان میں کھڑے دیکھو گے۔ (یعنی جب الدجال بیت المقدس پہنچے)۔
- 15..... تب جو یہودیہ میں ہوں پہاڑوں پر بھاگ جائیں۔
- 16..... جو کوٹھے کے اوپر ہوا اپنے گھر سے کچھ نکالنے کو نہ اترے۔
- 17..... اور جو کھیت میں ہوا اپنا کپڑا اٹھا لینے کو پیچھے نہ پھرے۔
- 18..... پر ان پر افسوس جو ان دنوں میں حاملہ اور دودھ پلانے والیاں ہوں (کیونکہ جب بچہ پیٹ یا گود میں ہوتا ہے بھاگنا نہیں جاتا)
- 19..... سودا گاروں کو کہ تمہارا بھاگنا جاڑے میں باڑ کے دن نہ ہو (اس سے ظاہر ہے کہ الدجال بیت المقدس میں موسم سرما اور یوم شنبہ کو پہنچے گا۔ بھاگنا نہ ہو سے مطلب یہ ہے کہ خدا تم کو وہ دن نہ دکھائے)

- 20..... کیونکہ اس وقت ایسی بڑی مصیبت ہوگی۔ جیسی دنیا کے شروع سے اب تک نہ ہوئی ہو اور نہ کبھی ہوگی۔
- 21..... اور اگر وہ (دن) گھٹائے نہ جاتے تو ایک دن بھی نجات نہ پاتا۔ پر برگزیدوں کی خاطر وہ دن گھٹائے جائیں گے۔

22.....تب اگر کوئی کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں تو یقین مت لاؤ۔

23.....کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی انھیں گے اور بڑے نشان اور کرامتیں دکھائیں گے یہاں تک کہ اگر ممکن ہوتا تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کرتے۔

24.....دیکھو میں پہلے سے ہی کہہ چکا ہوں۔

25.....پس اگر وہ (لوگ) تمہیں کہیں دیکھو وہ (مسیح) جنگل میں ہے تو باہر مت جاؤ۔ دیکھو وہ کوٹھڑی میں ہے (جس کا نام مرزا صاحب نے بیت الذکر رکھا

ہے) تو باہر مت کرو۔

26.....کیونکہ جیسے بجلی پورب سے کوندتی ہے اور پچھم تک چمکتی ہے۔ ویسا ہی انسان کے بیٹے کا آنا بھی ہوگا۔

27.....اور فی الفور ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج اندھیرا ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمان کی قوتیں

ہلائی جائیں گی۔“

(ناظرین تیرے آنے کا اور دنیا کے اخیر کا نشان کیا ہے۔ یہ الفاظ اِنَّهُ لَعَلَّمُ لِلسَّاعَةِ کا ترجمہ ہیں۔ مرزا صاحب نے انہ کی ضمیر میں جو مختلف وجوہ پیش کیے ہیں۔ احادیث نبوی کے الفاظ اور انجیل کے الفاظ اس کا تفسیر کرتے ہیں۔ حواریوں کے الفاظ سوال سے یہ بھی معلوم ہے کہ اس سوال سے پہلے بھی ان کو حضرت عیسیٰ کے آسمان پر جانے اور پھر قرب قیامت میں بار دوم آنے کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ یعنی وہ یہ وقت تھا۔ جب اللہ تعالیٰ اِنْسِیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعْکَ اِلَیَّ کا وعدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دے چکا تھا اور ان الفاظ کے معنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نیز ان کے حواری وہی سمجھتے تھے، جو آج جمہور مسلمانوں نے سمجھے ہیں۔ ورنہ تیرے آنے کا اور دنیا کے اخیر کا کیا نشان ہے۔“ بالکل بے معنی ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت مسیح تو خود ان میں موجود تھے اور آنے میں کیا کسر رہ گئی تھی۔)

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ پیش گوئی کیسے صاف اور واضح الفاظ میں حتیٰ طور پر فرمائی ہے اور اطلاع دی ہے کہ بہت سے لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو مسیح کا نام اور درجہ اپنے لیے ثابت کریں گے۔ پھر علامت اور نشان کے طور پر فرما دیا کہ جھوٹے مسیح اس زمانہ میں پیدا ہوں گے جب لڑائیاں شروع ہوں گی۔ یا لڑائیوں کی افواہ، قوم قوم پر بادشاہت بادشاہت پر چڑھے گی۔ کال، دبائیں، زلزلے آئیں گے اب ان علامات پر نظر غور سے دیکھو۔ پہلے مرزا صاحب کا وہ دعویٰ یاد کرو جَعَلْنٰکَ مَسِیْحَ ابْنِ مَرْیَمَ یعنی میں مسیح ہوں پھر فرانس کا جنگ۔ سیام سے سوڈانیوں کا، مصر سے انگریزوں کا۔ افریقہ میں وحشی لوگوں سے۔ ہندوستان میں برہما اور شمالی پہاڑی والوں سے وغیرہ وغیرہ پر نگاہ ڈالو۔ پھر روس اور انگلستان کی اور جرمن و فرانس کی اور یونان و روم کی جنگ کی افواہیں یاد رکھو۔ اور پھر اس نتیجہ کو جو مسیح علیہ السلام نے نکالا ہے انصاف سے دیکھو کہ وہ جھوٹے مسیح بہتہروں کو گمراہ کرنے والے ہوں گے۔)

یوحنا کی انجیل میں دیکھئے۔

28.....تم سن چکے ہو کہ میں نے تم کو کہا کہ جاتا ہوں اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں۔ اگر تم مجھے پیار کرتے تو میرے اس کہنے سے کہ میں باپ پاس جاتا ہوں

خوش ہوتے کیونکہ میرا باپ مجھ سے بڑا ہے۔

29.....اور اب میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا ہے تاکہ جب ہو جائے تم ایمان لاؤ (15 باب مرقس کے 13 باب اور لوقا کے 17 باب) میں

بھی اسی طرح ہے۔

اب مرزا صاحب انصاف اور حق پسندی کی راہ سے فرمائیں کہ آپ حضرت مسیح علیہ السلام کا بیان ان کے نزول کے بارہ میں جو اس قدر مفصل ہے اور انجیل اور بے میں منقول ہے کیوں منظور نہیں فرماتے۔ انجیل یوحنا کا یہ فقرہ میں نے تم کو کہا کہ جاتا ہوں اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں۔ زیادہ تر تدبر اور غور کے قابل ہے۔ ظاہر ہے۔ ”پھر آتا ہوں۔“ وہی شخص کہا کرتا ہے جو پہلے جایا کرتا ہے۔ پہلے جانا حضرت مسیح علیہ السلام کا ہمارے اور مرزا صاحب کے نزدیک مسلم ہے (گو اس کی کیفیت میں اختلاف ہو) مگر پھر آتا ہوں۔“ کی مرزا صاحب بڑے زور سے تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا پھر آنا محال اور قدرت کے خلاف ہے۔ اندریں حالت کہ مرزا صاحب ”فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّکْرِ“ پکار رہے ہیں اور انجیل حضرت مسیح علیہ السلام کا بذات خود دنیا پر مکرر آنا بآواز بلند پکار رہی ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ مرزا

صاحب نے کیوں اور کیونکر اس آیت کو وفاتِ مسیح علیہ السلام کی دلیل بنایا ہے اور نہ صرف خوش اعتقاد مریدوں کو بلکہ کل مسلمانوں کو کسی صریح غلطی میں ڈالنا چاہا ہے۔ یہ ثابت کرنے کے بعد کہ اہل کتاب کی آسمانی کتاب میں نزولِ مسیح علیہ السلام کی کیفیت کیا لکھی ہے؟ اب میں ایلیاہ کے اس قصہ پر توجہ کرتا ہوں۔ جس کا حوالہ اس آیت مستدلہ کے تحت میں مرزا صاحب نے دیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہود حضرت ایلیاہ کی آمد کے منتظر تھے۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام نے نبوت کا اظہار کیا تو یہود نے یہ اعتراض کیا کہ پہلے ایلیاہ آنا چاہیے تھا اگر تو مسیح ہے۔ بتا ایلیاہ کہاں ہے؟ حضرت مسیح علیہ السلام کا جواب اس بارہ میں انجیل میں یوں تحریر ہے کہ حضرت یوحنا کی طرف اشارہ کر کے آپ نے فرمایا۔ آنے والا ایلیاہ یہی ہے۔ چاہو تو قبول کرو اس جواب کا وہی مطلب ہے جو مرزا صاحب نے سمجھا ہے۔ مگر ناظرین انجیل کو ذرا تامل سے ملاحظہ فرمائے۔ اسی انجیل میں یہ بھی ہے کہ جب علماء یہود کے فرستادوں نے خود حضرت یوحنا سے سوال کیا کہ آپ کون ہیں۔ آیا مسیح ہیں کہا میں نہیں ہوں۔ پوچھا۔ کیا آپ ایلیاہ ہیں۔ فرمایا۔ میں نہیں ہوں۔ آیا وہ نبی ہیں (وہ نبی ترجمہ ہے آنحضرت کا) کہا میں نہیں ہوں۔ انھوں نے پھر دریافت کیا کہ اگر آپ نہ مسیح ہیں نہ ایلیاہ ہیں نہ وہ نبی ہیں تو پھر کون ہیں۔ حضرت یوحنا یحییٰ علیہ السلام نے جواب دیا میں وہ ہوں۔ جس کی یسعیاہ نبی نے خبر دی تھی۔

اب دیکھو کہ اگر انجیل کا یہ بیان ہے کہ مسیح نے یوحنا کو ایلیاہ بتایا تو انجیل ہی کا یہ بیان ہے کہ یوحنا نے ایلیاہ ہونے سے انکار کیا۔

فرمائیے۔ مسیح جو دوسرے کے بارہ میں کہہ رہا ہے وہ سچا ہے یا یوحنا جو خود اپنے حال کی خبر دیتا ہے۔ وہ صادق ہے۔ نبی دونوں ہیں۔ نتیجہ کیا نکالو گے؟ یہی کہ نبی تو دونوں سچے ہیں۔ ہاں۔ مسیح کے قول میں تحریف ہو گئی ہے۔ اس قدر لکھنے کے بعد جس سے ایلیاہ کا یوحنا ہونا غلط محض ثابت ہو چکا۔ یہ بھی درج کر دینا چاہتا ہوں کہ یہودی اگر حضرت ایلیاہ کے آنے کے قائل بھی تھے تو ان کے اعتقاد میں یہ ہرگز نہ تھا کہ وہ خود آسمان پر سے اترے گا دیکھو علماء یہود نے حضرت یوحنا سے آ کر یہ پوچھا ہے کہ تو مسیح ہے یا ایلیاہ یا وہ نبی، اگر ایلیاہ کے آسمان سے نزول فرمانے کے وہ قائل ہوتے تو حضرت یوحنا پر مسیح اور وہ نبی ہونے کا شبہ نہ کرتے اور جب انھوں نے شبہ کیا تو اس کے صرف دو معنی ہیں یا تو یہود مسیح اور وہ نبی اور ایلیاہ تینوں کے نزول من السماء کے قائل تھے اور یہ بدابہت باطل ہے کیونکہ مسیح اور وہ نبی تو ہنوز بار اول بھی دنیا میں پیدا نہ ہوئے تھے یا یہ کہ وہ ایلیاہ کے بحمدہ آسمان سے نازل ہونے کے قائل نہ تھے اور یہی فقرہ کا مطلب ہے۔ بدیں صورت مرزا صاحب کی وجہ استدلال کچھ بھی نہ رہی اور ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب نے اس آیت سے استدلال کرنے میں چند در چند غلطیاں کیں اور مغالطے دیے ہیں۔



تنبیہیں آیت

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۖ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۖ وَادْخُلِي جَنَّاتِي ۝ (الفجر 27-30)

”اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں۔“

قادیانی استدلال

”اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسان جب تک فوت نہ ہو جائے گذشتہ لوگوں کی جماعت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا لیکن معراج کی حدیث سے جس کو بخاری نے بھی مبسوط طور پر اپنے صحیح میں لکھا ہے ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام فوت شدہ نبیوں کی جماعت میں داخل ہے (کیونکہ اس حدیث کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام شب معراج دوسرے آسمان پر ملے جبکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام جو بالاتفاق فوت ہو چکے ہیں وہیں موجود تھے، چونکہ مسیح علیہ السلام بھی فوت شدہ لوگوں کے ساتھ پائے گئے لہذا انھیں بھی فوت شدہ ہی تسلیم کرنا پڑے گا۔ مرتب) لہذا حسب دلالت صریحہ اس نص کے مسیح ابن مریم علیہ السلام کا فوت ہو جانا ماننا پڑے گا۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 617-618 خزائن جلد 3 صفحہ 433)

مرزا صاحب کی وجہ استدلال یہ ہے کہ گذشتہ جماعت میں داخلہ جب مل سکتا ہے جب انسان مر جائے اور صحیح بخاری کی حدیث معراج سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی فوت شدہ نبیوں کے گروہ میں شامل تھے لہذا یہ نص وفات مسیح پر دلالت صریح رکھتی ہے۔

جواب..... 1

ناظرین مرزا صاحب کا صغریٰ و کبریٰ دونوں غلط ہیں۔ صحیح بخاری کی اسی حدیث پر جس کا مرزا صاحب نے حوالہ دیا ہے اگر تدبر کرتے تو اس غلطی پر وہ جلد مطلع ہو جاتے۔ مرزا صاحب فرمائیے نبیوں کی فوت شدہ جماعت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھنے والا کون تھا۔ ظاہر ہے۔ ہمارے سید و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دنیوی حیات میں تھے۔ پس جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذشتہ انبیاء کے گروہ میں دخل ہونا۔ داخلہ مل جانے کے بعد کچھ تفاوت نہیں کہ تھوڑی دیر کے لیے ہو یا زیادہ دیر کے لیے اسی طرح مسیح علیہ السلام بھی اس وقت اس گروہ میں موجود تھے۔ اس غلطی کے بعد دوسری غلطی مرزا صاحب کی یہ ہے کہ انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا۔ اگروہ یٰٰعِيسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ اور يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ دُونُوں پر چشم بصیرت سے نظر فرماتے تو ان کو صداقت کا نور درخشاں نظر آتا۔ پہلی آیت میں عیسیٰ علیہ السلام مخاطب ہیں، عیسیٰ علیہ السلام میں جسم اور روح دونوں شامل ہیں اور دوسری میں صرف نفس یعنی روح مخاطب ہے۔ پہلی آیت میں رَافِعُکَ اِلَیَّ ہے اور دوسری میں ارجعی دُنْیَا بھر کے لغات میں تلاش کر لو نہ رجوع بمعنی رفع ملے گا اور نہ رفع بمعنی رجوع پھر ایک کو دوسری سے کیا مناسبت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رفع کے معنی کلام الہی میں وہی ہیں جو اس کے لغوی اور حقیقی معنی ہیں اور مرزا صاحب نے اپنی تقویت کے لیے لفظ کو اس کے اصلی معنی سے پھیر کر کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔

مرزا صاحب آپ نے رَافِعُکَ اِلَیَّ کو ارْجِعِيْ اِلَی رَبِّک کے ہم معنی بنا دیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ارْجِعِيْ اِلَی رَبِّک اور اِلَی رَبِّک فَارْجِعْ بھی ہم معنی ہیں تو آپ کیا جواب دیں گے؟

جواب..... 2

نیز مرزا صاحب نے خود اقرار کیا ہے کہ میں نے ایک ہی پیالہ میں مسیح کے ساتھ گوشت کھایا ہے دیکھئے۔ (تذکرہ طبع چہارم صفحہ 349) نیز یہ بھی لکھا کہ میں نے کئی مرتبہ مسیح کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانا کھایا۔ نور القرآن۔ یہ بات انھوں نے اور کسی بھی نبی کے متعلق نہیں لکھی تو معلوم ہوا کہ مسیح بحالت حیات ہیں کیونکہ اکل و شرب زندوں کے ساتھ ہی متعلق ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ زندہ متوفی کے ساتھ ملاقات کر سکتا ہے۔ ورنہ مرزا صاحب اپنے آپ کو بھی مردار تسلیم کریں۔

چوبیسویں آیت

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ط (الروم 40)
 ”اللہ وہی ہے جس نے تم کو بنایا، پھر تم کو روزی دی، پھر تم کو مارتا ہے پھر تم کو جلانے گا۔“

قادیانی استدلال

”اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنا قانون قدرت یہ بتلاتا ہے کہ انسان کی زندگی میں صرف چار واقعات ہیں۔ پہلے وہ پیدا کیا جاتا ہے، پھر تکمیل اور تربیت کے لیے روحانی اور جسمانی طور پر رزق مقدم اسے ملتا ہے پھر اس پر موت وارد ہوتی ہے۔ پھر وہ زندہ کیا جاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس آیت میں کوئی ایسا کلمہ استثنائی نہیں جس کی رو سے مسیح علیہ السلام کے واقعات خاصہ باہر رکھے گئے ہوں۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 619 خزائن جلد 3 صفحہ 434)

جواب

ناظرین یہ سچ ہے کہ ان واقعات چارگانہ میں کل مخلوق داخل ہے۔ مگر حرف ثُمَّ جو ہر حالت کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ بتاتا ہے کہ یہ تمام واقعات آن واحد ہی میں شخص واحد پر گزر نہیں لیتے۔ بلکہ ان سب میں تراخی (دیر اور فاصلہ) اور ترتیب کا ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مستمعین کے لیے آیت خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ کے الفاظ صیغہ ماضی کے ساتھ ہیں اور ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ کے الفاظ صیغہ مضارع سے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ گو مستمع پر دو واقع گزر گئے ہوں اور گزر رہے ہوں۔ مگر دو امور آئندہ پیش آئیں گے۔ پس جب آیت کا مفہوم زندہ جانداروں کی وفات بالفعل کا متقاضی نہیں بلکہ صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ سب نے مر جانا ہے اور سب پر ان واقعات چارگانہ نے گزر لینا ہے تو وفات مسیح پر استدلال کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ مسلمانوں کا اعتقاد یہ ہے تکمیل و ترتیب کی حدود مختلف رزق مقسوم کے مناسب حال ہوتا ہے۔ اس لیے آج کل حضرت مسیح ثُمَّ رَزَقَكُمْ کے مصداق حال ہیں؟

اس کے بعد ثُمَّ يُمِيتُكُمْ کے مرحلہ میں داخل ہوں گے اور پھر سب کے ساتھ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ کے مرحلہ میں فلا اشکال ولا استدلال۔



پچیسویں آیت

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمن 26-27)
 ”جو کوئی ہے زمین پر فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گا منہ تیرے رب کا بزرگی اور عظمت والا۔“

قادیانی استدلال

”مطلب یہ کہ ہر ایک جسم خاکی کو نابود ہونے کی طرف ایک حرکت ہے اور کوئی وقت اس حرکت سے خالی نہیں، وہی حرکت بچہ کو جوان کر دیتی ہے اور جوان کو بڑھا اور بڑھے کو قبر میں ڈال دیتی ہے اور اس قانون قدرت سے کوئی باہر نہیں، خدا تعالیٰ نے فَنَّا کا لفظ اختیار کیا یَفْنٰی نہیں کہا تا معلوم ہو کہ فنا ایسی چیز نہیں کہ آئندہ کسی زمانہ میں ایک دفعہ واقعہ ہوگی بلکہ سلسلہ فنا کا ساتھ ساتھ جاری ہے لیکن ہمارے مولوی یہ گمان کر رہے ہیں کہ مسیح ابن مریم علیہ السلام اسی فانی جسم کے ساتھ جس میں بموجب نص صریح ہر دم فنا کام کر رہی ہے بلا تغیر و تبدل آسمان پر بیٹھا ہے اور زمانہ اس پر اثر نہیں کرتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بھی مسیح علیہ السلام کو کائنات الارض سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 619-620 خزائن جلد 3 صفحہ 434)

جواب..... 1

ناظرین ہمارا ایمان ہے کہ ہر شے کے ساتھ فنا لگی ہوئی ہے۔ ہم مرزا قادیانی کے بیان کو سچ جانتے ہیں کہ یَفْنٰی کی جگہ فَنَّا کا لفظ اختیار کرنے میں یہی بلاغت اور حکمت تھی۔ مگر مرزا قادیانی یہ فرمائیں کہ اس میں وفات بالفعل کی دلیل کہاں ہے۔ یہ بھی جناب مدوح کا مولوی صاحبان پر افترا محض ہے کہ مسیح بلا تغیر و تبدل آسمان پر بیٹھا ہے۔ ہاں ہم یہ ضرور اعتقاد رکھتے ہیں کہ زمانہ کے تغیر و تبدل کا اثر بعض جسموں پر (غیر معمولی کہو، خرق عادات کے طور پر سمجھو) ایسا خفیف ہوتا ہے کہ وہ اثر نہ خود اس جسم کو محسوس ہوتا ہے اور نہ اس کے دیکھنے والے کو۔ اصحاب کہف جب 309 برس کے بعد اٹھے تو انھوں نے اپنے خواب کی درازی مدت کو صرف یَوْمٌ اَوْ بَعْضُ یَوْمِ خِیَالِ کیا تھا علی ہذا۔ جب ان میں سے ایک بازار میں گیا۔ تو بازار والے بھی جسمی ساخت وغیرہ سے اس کو اپنے ہی زمانہ کا ایک شخص سمجھ کر (کیونکہ ان کو بھی کوئی ایسا تغیر نہ معلوم ہوا۔ جس سے وہ ان کو گذشتہ چار صدیوں کا آدمی خیال کر لیتے) اور ان کے ہاتھ میں نہایت پرانے عہد کا سکہ دیکھ کر دور و دراز کے خیالات میں پھنس گئے تھے۔ تغیر و تبدل کے اثر کا تفاوت طبقات ارض پر بھی ہے۔ گرم ولایت میں مردوزن جلد جوان ہو جاتے ہیں اور سرد میں ان سے کئی سال بعد گرم ولایت کے رہنے والے جلد بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ سرد ولایت کے بدویر، آسمانی زمین پر رہنے والوں میں تغیر و تبدل ایسا کم اور غیر محسوس ہے جس کے لیے کسرا عشریہ کے صفر بھی مشکل سے کفایت کر سکتے ہیں۔

جواب..... 2

کون نہیں جانتا کہ کُلُّ مَنْ کی تحت میں آسمان کے فرشتے بھی شامل ہیں اور مرزا قادیانی بھی جانتے ہیں کہ فَنَّا کا اثر ان پر بھی ہے۔ یعنی سلسلہ فنا ان کے ساتھ ساتھ بھی لگا ہوا ہے۔ مگر یہ بھی سب جانتے ہیں کہ وہ ہزاروں برس سے عبادت کرنے والے ہنوز ایسے زمانہ تک جس کی حد انسانی وہم و گمان سے برتر ہے زندہ رہیں گے اب مرزا قادیانی کے نزدیک اگر مولوی صاحبان نے مسیح علیہ السلام کے جسم پر جو زمین آسمانی پر ہے۔ نامعلوم تغیر و تبدل کا تا نزول ہونا مان لیا ہے اور اس ماننے سے ان کی توحید اور ان کی اطاعت قرآن کریم کے دعویٰ باطل ہو گئے ہیں تو کیا خود مرزا قادیانی پر وہی اعتقاد دربارہ فرشتگان رکھنے میں وہی اعتراض عاید نہ ہوں گے مُبْحَنَ اللّٰهِ قُضِيَ الرَّجُلُ عَلٰی نَفْسِهِ اسی کو کہتے ہیں۔

جواب..... 3

آفتاب و مہتاب زمین و آسمان سیدنا مسیح علیہ السلام سے قبل کے ہیں کیا ان پر فنا آگئی یا آئے گی؟ اگر آئے گی تو مسیح علیہ السلام پر بھی آئے گی۔ بحث تو امکان میں نہیں بلکہ وقوع میں ہے۔

ویسے بھی ہر کلیہ مخصوص البعض ہوتا ہے۔ دیکھئے اس چہار گونہ کلیہ کو کہ اس میں تو تمام مخلوقات داخل بھی نہیں ہوتے کیونکہ کوئی وجود حیات سے قبل ہی ختم ہو جاتا ہے اور کوئی بعد حیات و قبل الرزق۔ اور کوئی مرحلہ رزق کے کسی حصہ میں۔ یعنی ابتدا میں۔ وسط میں یا انتہاء میں پھر ہر مرحلہ یکساں نہیں تو معلوم ہوا کہ ہر ضابطہ اور کلیہ استغراقی نہیں ہوتا بلکہ بطور جنس کے ہوتا ہے۔ استثنائی صورتیں متعدد ہوتی ہیں۔

نیز کل من علیہا فان کا دائرہ تاثیر ابتداء سے چلا آ رہا ہے جو کہ آخر کار صور اول تک منتہی ہو جائے گا تو اس وقت کل من علیہا فان اور لمن الملک الیوم کا اعلان ہوگا۔ اس وقت واقعہ کوئی بھی زندہ نہ ہوگا نہ مسیح نہ کوئی اور فرد مخلوق۔ فلا نزاع ولا جدال۔

چھبیسویں آیت

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ فِي مَقْعَدٍ صَدِيقٍ عِنْدَ مَلِكٍ مُّقْتَدِرٍ (القدر: 54-55)

”جو لوگ ڈرانے والے ہیں باغوں میں ہیں اور نہروں میں۔ بیٹھے گئی بیٹھک میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے۔“

قادیانی استدلال

”اب ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے دخول جنت اور مقعد صدق میں تلازم رکھا ہے، یعنی خدا تعالیٰ کے پاس پہنچنا اور جنت میں داخل ہونا ایک دوسرے کا لازم ٹھہرایا گیا ہے، سو اگر رَافِعُکَ اِلَیَّ کے یہی معنی ہیں جو مع علیہ السلام خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا تو بلاشبہ جنت میں بھی داخل ہو گیا، جیسے کہ دوسری آیت ارجعی الی ربک جو رافعک الی کے ہم معنی ہے بصراحت اسی پر دلالت کر رہی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے جانا اور گذشتہ مقررہ کی جماعت میں شامل ہو جانا اور بہشت میں داخل ہو جانا یہ تینوں مفہوم ایک ہی آن میں پورے ہو جاتے ہیں۔ پس اس آیت سے بھی مسیح ابن مریم علیہ کافوت ہونا ہی ثابت ہوا، فالحمد لله الذی احق الحق وابطل الباطل و نصر عبده اید مامورہ۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 621 خزائن جلد 3 صفحہ 435)

جواب.....1

اس آیت متدلہ کا تعلق مرنے کے بعد سے نہیں بلکہ روز قیامت سے ہے۔ الفاظ قرآنی یہ ہیں بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَى وَأَمْرٌ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ آگے چار آیتیں بحر میں ہی کے بیان میں ارشاد فرما کر فرمایا اِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ معزز ناظرین نہ صرف مرزا صاحب کا ترجمہ ہی غلط ہے بلکہ یہ بھی کہ مرزا صاحب نے اسی آیت کی بنا پر جو یہ اصول قائم کیا تھا (حالانکہ الفاظ میں اس اصول کی طرف صراحت تو کیا دلالت بھی نہیں) کہ انسان مرنے کے ساتھ ہی بہشت میں چلا جاتا ہے۔ وہ سراپا غلط ہے۔ قرآن مجید میں ہے یَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ وَأَزْلَفَتْ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ۔ هَذَا مَا تَدْعُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيفٍ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ذَلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ (ق: 30-34) جس روز ہم جہنم کو پوچھیں گے تو بھر گئی؟ وہ کہے گی کیا اور کچھ بھی ہے؟ اور (جس روز) متقین کے واسطے جنت کو آراستہ کر کے قریب لائیں گے۔ یہ وہ بہشت ہے۔ جس کا وعدہ ہر رجوع کنندہ (احکام کے) محافظ کو دیا گیا تھا جو شخص بن دیکھے رحمن سے ڈرا اور رجوع کرنے والے دل کے ساتھ آیا۔ اس کو اس بہشت میں سلامتی کے ساتھ داخل کر دو۔ یہ دن یوم غلود ہے۔ یہ آیت کس قدر مرزا صاحب کے تلازم اور ایک آن کے مسئلہ کو باطل کر رہی ہے۔ احادیث صحیحہ میں بھی بڑی تفصیل و تشریح ہے سب کی جامع ایک ہی حدیث ہے۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں سب سے پہلے دروازہ جنت جا کر کھٹکھاؤں گا۔ رضوان پوچھے گا آپ کون ہیں۔ میں کہوں گا ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم رضوان دروازہ کھول دے گا اور کہے گا۔ مجھے یہی حکم تھا کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں؟“ اگر مرزا صاحب کا یہ مذہب ٹھیک ہے تو ان کو اس حدیث کے بعد تھلا نا پڑے گا کہ وفات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تک جس قدر برگزیدگان خدا انتقال کرتے رہے وہ سب کہاں جنت کے باہر رہے۔ یہ تمام تقریر تو مرزا صاحب کی اصولی غلطی ظاہر کرنے کے لیے لکھی گئی۔

جواب.....2

اب یہ عرض ہے کہ آیت متدلہ مرزا صاحب کے دعویٰ پر ذرا دلیل نہیں۔ بالفرض ان کا یہ بیان صحیح ہے کہ انسان مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے تو وفات مسیح پر یہ کیا دلیل ہے۔ برگزیدہ بندوں میں داخل ہونا اگر دلیل وفات ہوتی تو شب معراج میں ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات پانا ایک مسلم واقع ہوتا۔ جب ایسا نہیں ہوا تو آپ کا یہ استدلال ایسا بودا اور ضعیف ہے۔ جس کو دعویٰ سے ذرا مناسبت نہیں۔

جواب.....3

مرزا صاحب اپنی کوتاہ عقلی سے سمجھے بیٹھے ہیں کہ آسمان پر صرف جنت ہے اور کوئی جگہ اور خطہ نہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ آسمان تو سات ہیں اب ہر آسمان تمام کا تمام جنت میں مانیں گے؟ مرزا صاحب! آسمان ایک نہایت وسیع و عریض مقامات ہیں۔ اس میں خدا جانے کیا کیا ہے رفع سماء سے دخول جنت لازم نہیں آتا۔ دیکھئے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو بے شمار مقامات کی سیر کے بعد جنت کی سیر فرمائی وہاں منازل صحابہ رضی اللہ عنہم ملاحظہ فرمائے۔ مسیح علیہ السلام کا رفع آسمانوں پر ہونا کہ جنت موعودہ میں۔ (فافہم)

ستانیسویں آیت

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۚ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۚ
(الانبیاء 11-12)

”جن کے لیے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اس سے دور ہیں گے نہیں سنیں گے اس کی آہٹ اور وہ اپنے جی کے مزوں میں سدا رہیں گے۔“

قادیانی استدلال

”اس آیت سے مراد حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام ہیں ان کا بہشت میں داخل ہو جانا اس سے ثابت ہوتا ہے جس سے ان کی موت پیا یہ ثبوت پہنچتی ہے۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 622 خزائن جلد 3 صفحہ 435)

جواب.....1

مضمون آیت یہ ہے کہ نیک بندے بہشت میں داخل ہوں گے۔ لہذا حضرت مسیح علیہ السلام مر گئے مرتے ہی بہشت میں داخل ہونے کا غلط ہونا ثابت ہو چکا۔
بالفرض یہ عقیدہ صحیح درست ہے تاہم اس اصول سے کہ مردے فوراً داخل بہشت ہوتے ہیں وفات مسیح بالفعل کہاں ثابت ہو گئی؟

جواب.....2

یہ سلسلہ کلام روز حشر کے بعد کے ساتھ متعلق ہے جو امر حشر کے بعد سے متعلق ہو اس کے فرضی نتائج سے دنیا میں عقیدہ کا اثبات احمقوں کی جنت کے باسی کی ہی چال ہو سکتی ہے۔



اٹھانیسویں آیت

اِنَّ مَا تَكُونُوْنَ اِيْذُرْ تُحَكِّمُ الْمَوْتَ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشِيْدَةً. (النساء: 78)
 ”یعنی جس جگہ تم ہو اسی جگہ موت تمہیں پکڑے گی اگرچہ تم بڑے مرتفع برجوں میں بودو باش اختیار کرو۔“

قادیانی استدلال

”اس آیت سے بھی صریح ثابت ہوتا ہے کہ موت اور لوازم موت ہر جگہ جسم خاکی پر وارد ہوتے ہیں۔ یہی سنت اللہ ہے اور اس جگہ بھی استثناء کے طور پر کوئی ایسی عبارت بلکہ ایک ایسا کلمہ بھی نہیں لکھا گیا ہے جس سے مسیح باہرہ جاتا پس بلاشبہ یہ اشارۃ النص بھی مسیح ابن مریم کی موت پر دلالت کر رہے ہیں۔ موت کے تعاقب سے مراد زمانہ کا اثر ہے جو ضعف اور پیری یا مرضی و آفات منجری الموت تک پہنچانا ہے اس سے کوئی نفس مخلوق خالی نہیں۔“
 (ازالہ صفحہ 622 خزائن جلد 3 صفحہ 436)

جواب.....1

یہاں بھی مرزا قادیانی نے تحریف قرآنی کا ارتکاب کر کے غلط نتیجہ کشید کرنے کی نامراد کوشش کی ہے۔ اس کے لیے سب سے پہلے آیت کے صحیح معنی و مفہوم پر نظر کرنا ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ کفار مکہ نے مدینہ پر حملہ کرنے کا پروگرام ترتیب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے مقابلہ کے لیے تیاری کا حکم فرمایا تو بعض کمزور طبع حضرات یا منافقین نے جنگ سے جی چرانا چاہا۔ ان کی تنبیہ کے لیے یہ آیات نازل ہوئیں کئی رکوع اسی مضمون سے متعلق نازل ہوئے۔ ان میں یہ آیت کریمہ بھی ہے ”کہ جنگ میں جانے سے جی چرا کر تم موت سے نہیں بچ سکتے۔ موت تو کہیں بھی آ سکتی ہے۔ اگرچہ بلند و بالا برجوں میں کیوں نہ رہو پھر بھی موت آئے گی۔“ اب اس آیت میں موت کا آنا یقینی ہے اس کا بیان ہو رہا ہے۔ یہ کہاں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے۔

جواب.....2

تمام اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ تمام مخلوق کی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر موت آئے گی۔ بحث اس میں ہے کہ اس وقت زندہ ہیں یا فوت ہو گئے۔ مرزا قادیانی کا موقف ہے کہ فوت ہو گئے اس آیت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے ثابت ہو کہ وہ فوت ہو گئے۔ پس مرزا کا یہ دجل اور تحریف ہے۔ مرزا کے دل کا چور بھی مرزا کو ملامت کرتا تھا کہ تم غلط استدلال کر رہے ہو۔ اس لیے مجبوراً اسے کہنا پڑا ”یہ اشارۃ النص بھی مسیح بن مریم کی موت پر دلالت کر رہے ہیں“ مرزا نے غلط کہا اس میں اشارۃ النص نہیں بلکہ مرزا قادیانی کی ”شرارۃ النفس“ نے اسے اس تحریف پر مجبور کیا ہے۔

جواب.....3

مرزا کا کہنا کہ ”موت اور لوازم موت ہر جگہ جسم خاکی پر وارد ہوتے ہیں۔“ یہاں بھی مرزا کو یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح مسلمان و کافر امتی اور نبی کی کیفیت موت میں فرق ہے اس طرح زمین پر رہنے والے اور آسمان پر رہنے والے اجسام کے لوازم موت یا اثرات میں بھی فرق ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تختہ جبرائیل علیہ السلام سے پیدا ہوئے۔ اس لیے آسمانوں پر قیام فرشتوں کی طرح ان کے جسم مبارک پر اثرات کے مرتب کا فرق ظاہر و باہر ہے۔ مرزا کا مرشد ابلیس بھی اگر اب تک زندہ ہے تو اس کے جسم پر اثرات موت و لوازم موت میں مرزا کی نسبت تفاوت ہے۔ تو زمین پر رہنے والوں اور ساکنان سماء کا اجسام پر لوازم موت کے تفاوت اثرات سے انکار نہیں کرنا چاہیے؟

جواب.....4

”اور زمانہ سے جسم پر لوازم موت وارد ہوتے ہیں“ یہ صرف مرزا قادیانی کا عقیدہ نہیں بلکہ کفار مکہ، مادہ پرست، منکرین بعثت بھی کہتے تھے۔ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَىٰ وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ۔ (جاثیہ: 24) وہ (کفار) کہتے تھے کہ ہمیں دنیوی زندگانی ہی کافی ہے۔ ہم مرتے اور پیدا ہوتے ہیں اور حوادث زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتے ہیں کفار مکہ و منکرین بعثت حوادث زمانہ کو موت اور لوازم موت سمجھتے تھے۔ یہی راگ آج مرزا قادیانی الاپ رہا ہے جبکہ مسلمانوں کے نزدیک موت صرف مشیت الہی بفعل مایشاء اور ”مشیت“ ذات باری کی مرضی و منشاء پر منحصر ہے۔ کوئی ماں کے پیٹ سے مردہ برآمد ہوا۔ کوئی چند ساعات، کوئی چند سال، کوئی چند صدیاں، جس کو جتنا چاہے زندہ رکھے۔ یہ خالق کی مرضی پر منحصر ہے۔ جب چاہے جس کو چاہے موت دے۔ عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں۔ ان کی وفات کے وقوع کا اس آیت میں اشارہ یا شاہدہ تک نہیں۔ پس جبکہ مرزا اخر الدین والآخرۃ کا مصداق ہے۔



جواب.....5

مرزا نے اپنی غلط برآری کے لیے آیت میں تحریف کر کے اشارۃ النص ثابت کرنا چاہی۔ جبکہ صراحة النص بل رفعہ اللہ (قرآن) ان عیسیٰ لم یمت (حدیث) ان ینزل فیکم (حدیث) کی موجودگی اس بات پر دلیل بین ہے کہ مرزا قادیانی نے یہاں بھی تحریف سے کام لیا ہے۔



جواب.....6

یدرکم الموت۔ یہ مضارع ہے۔ موت تم کو پائے گی نہ کہ پا چکی۔ مضارع کو ماضی میں لیتا، عیسیٰ علیہ السلام جن کی تخصیص منقولی ثابت ہو چکی ان کو عموم میں ثابت کرنا۔ قادیانی دجل کا شاہکار ہے۔

انتیسویں آیت

وَمَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا. (الحشر 8)
 ”اور جو دے تم کو رسول سولے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔“

قادیانی استدلال

”یعنی رسول جو کچھ تمہیں علم و معرفت عطا کرے وہ لے لو اور جس سے منع کرے وہ چھوڑ دو۔ لہذا اب ہم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں کیا فرمایا ہے۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 622 خزائن جلد 3 صفحہ 436)

جواب..... 1

آئیے مرزا صاحب اسی آیت پر عمل کریں اور دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات مسیح اور نزول مسیح علیہ السلام کے بارہ میں کیا فرمایا ہے۔
 1..... امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْيَهُودِ إِنَّ عِيسَى لَمْ يَمُتْ وَإِنَّهُ رَاجِعٌ إِلَيْكُمْ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (تفسیر ابن کثیر جلد 1 صفحہ 322 و 1576 بن جریر جلد 3 صفحہ 289) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو (جو وفات عیسیٰ کے قائل تھے) فرمایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز نہیں مرے اور وہ قیامت سے پہلے تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔“ حدیث میں لَمْ يَمُتْ کا لفظ غور طلب ہے کیونکہ لَمْ نفی تاکید کے لیے آتا ہے اور مضارع کو بمعنی ماضی کر دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ اس وقت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں مرے۔ اس حدیث پر شاید جرح ہو سکتی ہے کہ مرسل ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے صحابی کا نام نہیں لیا مگر یہ جرح مرزا صاحب اور ان کے اخوان کی طرف سے تو ہو نہیں سکتی کیونکہ مرزا صاحب نے مباحثہ الحق لدھیانہ تسلیم کیا ہے۔ ”بحر و ضعف حدیث کا بیان کرنا اس کو بکلی اثر سے روک نہیں سکتا۔“ مرسل حدیث بکلی پایہ اعتبار سے خالی اور بے اعتبار محض نہیں ہوتی، اب رہے اہل حدیث۔ وہ بھی اس حدیث پر کچھ جرح نہیں کر سکتے کیونکہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بروایت صحیح ثابت ہو چکا ہے کہ جب وہ روایت حدیث ارسال کرتے ہیں تو اس حدیث کے راوی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہوتے ہیں مگر بنی امیہ کے خلاف اور شورش کے خوف سے آپ نام نہیں لیا کرتے۔ اس سے واضح ہوا کہ حدیث بالا مرفوع ہے اور اس کی سند بھی جید اور عالی ہے۔“ مرزا صاحب اگر اَتَاكُمُ الرَّسُولُ پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو اس حدیث کے سامنے سراطاعت خم کریں۔

2..... ابوداؤد جلد 2 صفحہ 135 باب خروج الدجال کی حدیث میں ہے لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَ عِيسَى نَبِيٌّ وَإِنَّهُ نَازِلٌ مَعِيَ اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا اور وہی عیسیٰ تم میں نازل ہوں گے۔ ان الفاظ کو مرزا صاحب ایمانی نظر سے دیکھیں کہ کس کا آنا ثابت ہوتا ہے اور کس کی زندگی واضح ہے؟

3..... امام احمد کی مسند اور ابن ماجہ صفحہ 299 باب خروج الدجال میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں شب معراج کو حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام سے ملا۔ قیامت کے بارہ میں گفتگو ہونے لگی۔ فیصلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سپرد کیا گیا۔ انھوں نے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فیصلہ دیا گیا۔ انھوں نے کہا قیامت کے وقت کی خبر تو خدا کے سوا کسی کو بھی نہیں۔ ہاں خدا نے میرے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ قیامت سے پہلے دجال نکلے گا اور میرے ہاتھ میں شمشیر برندہ ہوگی۔ جب وہ مجھے دیکھے گا تو یوں پکھلنے لگے گا۔ جیسے رنگ پکھل جاتا ہے۔

مرزا صاحب کیا یہ احادیث مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ میں داخل ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو آپ ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ اگر آپ کے نزدیک مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ میں جملہ احادیث نبوی میں سے صرف وہ دو حدیثیں داخل ہیں جو آپ نے اس آیت کے تحت میں لکھی ہیں تو واضح ہو کہ یہ وہ حدیثیں بھی آپ کے مدعا کے لیے ذرا مثبت نہیں۔



1..... ترمذی جلد 2 صفحہ 195 ابواب الدعوات کی یہ حدیث آپ نے پیش کی ہے کہ أَعَارِ امْتَنِي مَا بَيْنَ السَّبْعَيْنِ وَأَقْلَهُمْ مَنْ يَجُوزُ ذَلِكَ جس کا ترجمہ بھی آپ نے صحیح کیا ہے کہ ”میری امت کی اکثر عمریں ساٹھ سے ستر برس تک ہوں گی اور ایسے لوگ کمتر ہوں گے جو ان سے تجاوز کریں میں کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ بھی اَقْلَهُمْ میں داخل ہیں۔ نزول کے بعد جب امت میں عملاً شمار ہوں گے تب تو چالیس پچالیس کے عرصہ میں ان کا وصال ہو جائے گا۔ پھر یہ حدیث کیا

دلیل آپ کے لیے ہے؟

2.....دوسری حدیث مسلم جلد 2 صفحہ 310 ابواب الفضا کی یہ پیش کی ہے مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ نَفْسٍ مَنُفُوسَةٍ يَأْتِي عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِيَ حَيَّةٌ جَوْزَمِينَ کے اوپر جاندار ہے۔ ایسی مخلوق نہیں کہ اس پر سو برس گزریں اور وہ زندہ ہو مَا عَلَى الْأَرْضِ كَالْفَرْسِ يَأْتِي عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِيَ حَيَّةٌ جَوْزَمِينَ پر موجود تھے۔ ورنہ مَا عَلَى الْأَرْضِ كَالْفَرْسِ يَأْتِي عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِيَ حَيَّةٌ جَوْزَمِينَ کی شرط لغو ٹھہرتی ہے بلکہ زیادہ تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تکلم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تخصیص کرنے کے وقت حضرت مسیح علیہ السلام کا ضرور خیال گزرا ہے اور اس لیے ایسے الفاظ استعمال فرمائے جو روئے زمین کے کل انسانوں پر تو حاوی ہو سکیں۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام اس سے متشکی بھی رہیں۔ لفظ الارض پر جن علماء نے علمی بحث کی ہے اور آیات ربانی کے قرائن سے الارض کے الف لام کو یقین کے لیے قرار دیا ہے۔ اس بحث میں تو مرزا صاحب الارض کو ربع مسکون پر بھی اطلاق نہ کر سکیں گے بلکہ جزیرہ عرب ہی مختص ہو جائے گا۔ الغرض یہ احادیث بھی آپ کے لیے کچھ مدد و معاون نہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مرزا صاحب مَا أَتَكُمْ الرُّسُلُ کے امر واجب الاذعان کو جو نہایت وسیع اور عام ہے صرف دو حدیثوں کے اندر (جن کو آپ نے ہزار وقت اپنے مفید بنایا تھا۔ مگر اس میں بھی کامیاب نہ ہوئے) محدود جانتے ہیں بلکہ جہاں کہیں رسول معصوم کے ارشادات جن کی اطاعت ہم پر فرض کی گئی ہے۔ ان کے اوہام نفسانی کی مخالفت کرتے ہیں اس جگہ آپ نہایت دلیری اور جرأت سے احادیث رسول پر مخالفانہ حملہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی نگاہ میں احادیث نبوی کی وقعت کو پرکاش سے بھی کم ظاہر کر دیں۔ اس بیان کے ثبوت میں کہ انھوں نے کس طرح پر جا بجا احادیث نبوی پر حملہ کیے ہیں اور کیسے کیسے پیرایہ میں ان کا ساقط الاعتبار ہونا زور و شور سے تحریر کیا ہے۔ مجھے زیادہ حوالے دینے کی ضرورت نہیں۔ میں اس جگہ صرف اس قدر دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا مَا أَتَكُمْ الرُّسُلُ کا امر واجب الاذعان اس وقت فراموش ہو جایا کرتا ہے۔



جواب.....2

مرزا اور اس کے پیروکار یہ بھی خیال فرمائیں کہ آج تک بے شمار ائمہ دین، مجددین، ملہمین، مفسرین، متکلمین ہوئے ہیں انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔ سنا اور سمجھا، انھوں نے جو اس کا مفہوم لیا اور اپنا یا اس کے حوالہ سے جو اس کا مصداق و مفہوم ہو گا وہ ہمیں سو فیصد تسلیم و منظور، اس کے سوا ہم کسی بھی وسوسے اور شبہ کو سننے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ لایئے پوری امت سے ایک آدمی پیش کریں جس نے اس آیت سے وفات مسیح علیہ السلام مراد لی ہو۔ ایک مفسر قیامت تک پوری صاحب امت اس موقف پر یہاں پیش نہیں کر سکتی۔

تیسویں آیت

أَوْ تَرْفَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِوَقْعِيكَ حَتَّىٰ تُنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا تُفَرِّقُوهَ قُلْ مُبَحَّانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا

(بنی اسرائیل 93)

”یا چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہم نہ مانیں گے تیرے چڑھ جانے کو جب تک نہ اتار لائے ہم پر ایک کتاب جس کو ہم پڑھ لیں تو کہہ سبحان اللہ میں کون ہوں

مگر ایک آدمی ہوں بھیجا ہوا۔“

قادیانی استدلال

”اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا اور انھیں صاف صاف جواب ملا کہ یہ عادت اللہ نہیں کہ کسی خاکی جسم کو آسمان پر لے جائے۔ اب اگر جسم خاکی کے ساتھ ابن مریم علیہ السلام کا آسمان پر جانا صحیح مان لیا جائے تو یہ جواب مذکورہ بالا سخت اعتراض کے لائق ٹھہر جائے گا اور کلام الہی میں تناقض اور اختلاف لازم آئے گا، لہذا قطعی اور یقینی یہی امر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بحمدہ غفری آسمان پر نہیں گئے بلکہ موت کے بعد آسمان پر گئے ہیں۔“

(ازالہ اوہام صفحہ 625، خزائن جلد 3 صفحہ 437)

جواب

”یہ بات نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس خدا کا پیغمبر بن جائے اور ہر ایک پر وحی نازل ہو جایا کرے۔ اس کی طرف قرآن شریف نے فرمایا ہے اور وہ یہ ہے وَإِذَا جَاءَهُمْ نَبَأٌ مِّنْ آيَةٍ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (یعنی جس وقت کوئی نشانی کفار کو دکھائی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ جب تک خود ہم پر ہی کتاب نازل نہ ہو تب تک ایمان نہ لائیں گے۔ خدا خوب جانتا ہے کہ کس جگہ اور کس محل پر رسالت کو رکھنا چاہیے۔) (برائین احمدیہ حاشیہ صفحہ 169 خزائن جلد 1 صفحہ 181) الغرض مرزائی مصنف کی پیش کردہ آیت سے بشر رسول کا آسمان پر جانا ناممکن الحال ثابت نہیں ہوتا۔“

مرزا قادیانی سے کوئی پوچھے صاحب اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ آسمان پر لے جانا عادت اللہ نہیں بلکہ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوا کہ آسمان پر چلا جانا انسانی قدرت سے تو بالاتر ہے لیکن خدا تعالیٰ قادر ہے اگر کسی نبی کو چاہے آسمان پر لے جاسکتا ہے۔ بھلا یہ مسلمان کب کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے آپ آسمان پر جا بیٹھے مسلمانوں کا تو یہ عقیدہ ہے بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ اللَّهُ نے ان کو اپنی قدرت کاملہ سے اٹھایا ہے۔ ہاں شاید یہ شبہ ہو کہ تو پھر کیوں کفار کے مطالبہ کے موافق یہ معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر نہ کیا گیا تا کہ وہ ایمان لے آتے کفار کے مطالبہ کو کیوں روکا گیا کیا وہ یہ کہتے تھے کہ تم اپنی ہی قدرت سے یہ کرشمہ دکھاؤ ان کا ہرگز یہ خیال نہ تھا تا کہ یہ جواب دے دیا جاتا کہ بذات خود مجھ میں یہ قدرت نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کفار مکہ کے یہ سوالات کسی غرض صحیح اور تحقیق حق پر مبنی نہ تھے بلکہ محض تعنت اور عناد پر مبنی تھے ان کے ظاہر ہونے پر ایمان لانا ہرگز مقصود نہ تھا چنانچہ سوال ہوتا ہے اوقاتی باللہ والملئکہ قبیل (بنی اسرائیل 92) یعنی اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے گواہ لاؤ جو محال قطعی ہے پھر سوال ہوتا ہے کہ ہمارے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھیں لیکن کفار ہمارے رسول کے آسمان پر چڑھ جانے کے معجزہ کی درخواست پر جیسے نہیں رہے بلکہ اس کے ساتھ یہ چاہا کہ پھر ہمارے سامنے آسمان سے اترو اور ہر ایک کے نام خدا کی طرف سے نوشتہ اور کتاب لے کر آؤ کہ ہم اس کو پڑھیں یعنی ہم پر بھی خدا کی کتاب نازل کر کہ اے فلاں بن فلاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ یعنی گویا رسول بنادے حالانکہ یہ خدا کا کام ہے کہہ دے کہ میں تو بشر اور خود اس کا رسول ہوں کسی کو نبی اور رسول بنانا اور خدا کی طرف سے اس کے نام کتاب نازل کرنا میرا کام نہیں ہے یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے مگر میرا اللہ پاک ہے کہ ایسے گندے اور ناپاک روجوں کو اپنا نوشتہ اور اپنی کتاب بھیج کر رسول بنائے یا ان کے سامنے شہادت دینے آئے معاذ اللہ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (الانعام 124) یعنی کفار مکہ نے کہا ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ ہم کو بھی دیا جائے مثل اس کے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے یعنی رسالت و وحی و کتاب و معجزے وغیرہ فرما دیجئے کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ کہاں اپنی رسالت کو رکھے یعنی تمہارے جیسے گندے اور ناپاک اور غیبی انفس رسالت کے کب قابل ہیں اور بعض سوال ممکن بھی تھے اور وہی معجزے طلب کیے تھے جو پہلے رسولوں سے ظاہر ہو چکے لیکن محض تعنت اور عناد پر مبنی تھے ان کے ظاہر ہونے پر ایمان لانا ہرگز مقصود نہ تھا جیسے شق القمر کا معجزہ ظاہر کیا گیا مگر انھوں نے پھر بھی جھٹلایا چنانچہ خود ارشاد خداوندی ہے مَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ (بنی اسرائیل 59) قَوْلَهُ تَعَالَىٰ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَنْ جَاءَهُمْ آيَةٌ كَيْفَ مَنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام 109-110) ”نہیں روکا ہم کو کہ ہم معجزوں کو بھیجیں مگر اس بات نے کہ پہلے لوگ جھٹلا چکے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تاکید سے کہ اگر

ان کو ایک معجزہ پہنچے تو البتہ اس پر ایمان لائیں فرمادیجئے کہ معجزے تو اللہ کے پاس ہیں اور تم مسلمان کیا خبر رکھتے ہو کہ جب معجزے آئیں گے تو ہرگز ایمان نہ لائیں گے اور ہم اُلٹ دیں گے ان کے دل اور آنکھیں جیسے ایمان نہیں لائے پہلی بار“ غرض یہ سوال محض عناد پر مبنی تھے لیکن اگر ان فرمائشی معجزات کو پورا بھی کر دیا جاتا تب بھی وہ ایمان نہ لاتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ پھر وہ بالکل تباہ اور برباد کر دیے جاتے کیونکہ اقتراحی معجزے کے بعد امہال اور استدراج نہیں ہوتا جیسا کہ پہلی امتوں کے ساتھ پیش آچکا ہے۔

اگر کہا جائے گو آسمان پر چڑھایا جانا ممکن تو ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے آسمان پر پہنچا سکتا ہے کیونکہ خدا کے نزدیک کوئی چیز انہونی نہیں لیکن یہ عام سنت جاریہ اور عام عادت اللہ کے خلاف ہے۔ مگر یہ مرزا قادیانی ہرگز نہیں کہہ سکتے کیونکہ (حقیقۃ الوحی صفحہ 49-50 خزائن جلد 22 صفحہ 52) میں لکھتے ہیں۔

”اس قدر زور سے صدق اور وفا کی راہوں پر چلتے ہیں کہ ان کے ساتھ خدا کی ایک الگ عادت ہو جاتی ہے گویا ان کا خدا ایک الگ خدا ہے جس سے دنیا بے خبر ہے اور ان سے خدا تعالیٰ کے وہ معاملات ہوتے ہیں جو دوسروں سے وہ ہرگز نہیں کرتا جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام۔“

پس جب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خدا کے وہ معاملات ہوتے ہیں جو دوسروں سے نہیں ان کے ساتھ خدا کی ایک الگ عادت ہوتی ہے تو پھر رفع عیسیٰ علیہ السلام و زیادتہ عمر پر کیوں تعجب ہے۔ اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ۔ (آل عمران 59) جب آدم علیہ السلام زمین سے جنت میں پھر جنت سے زمین پر آچکے ہیں ایسے علیہ السلام کا زمین سے آسمان پر پھر آسمان سے زمین پر آنا ہوگا۔

